مختلف موضوعات کے لئے زیر طبع

فتاوی انواریہ

مُرتِّب

ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی بن اللّٰہ دیا المدنی القریشی عفی عنہما

آف ملتان 0321-6330166

انواریہ دار الافتاء

الاستفتاء: # 1

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام زید کے بارے میں جو (۱) مختلف سنی تنظیموں کے نام لے کر یہ کہتا ہے کہ میں انہیں وہابیوں اور قادیانیوں سے بدتر سمجھتا ہوں۔ (۲) زید کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں بکثرت کھاتا اور جھوٹ بولتا ہے۔ (۳) لوگوں سے سامان وغیرہ لینا اور قرضہ لے کر رقم ادا نہ کرنا بھی زید کے معمولات میں شامل ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے، اور ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھنا کیسا ہے، نیز ایسے شخص کو اپنا امام بنانا یا اس کے پیچھے کسی قسم کی نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی زید کے مذکورہ معاملات پر مطلع ہونے کے باوجود اس کی امامت میں نماز ادا کرے اس کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

العارض: محمد اعجاز نواز پرانی سبزی منڈی کراچی

الحمد لله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

الجواب :

یہ سوال مجمل ہے اور حال زمانہ مختل ہے، اور آج کل تقیہ بہت رائج ہے، مال وشہرت کیلئے دین بیچنا بہت آسان بات ہے۔ معاملہ باطن ونیت کا ہے اور غیب کا علم خدا کو ہے، بہر حال زید اگر بد مذہب ہے اور عقائد کی وجہ سے سنیوں کو وہابیوں اور قادیانیوں سے بدتر کہا تو اس صورت میں زید بد مذہب سے کافر ہو گیا۔ فتاوی فیض رسول میں ہے: سنی صحیح العقیدہ کو بلا وجہ مشرک کہنا خود شرک وکفر میں مبتلا ہونا ہے۔ (ج ا ص 44) اور یہاں زید نے کافر نہیں بلکہ کافروں سے بدتر کہا ہے۔ پھر زید اگر سنی مسلمان ہے تو اس نے عقائد کی وجہ سے کہا تو تقینا یہ کفر ہوگا کیونکہ یہ فسق اعتقادی ہے اور ایسا کسی سنی مسلمان سے متصور نہیں۔

بصورت دیگر نام لے کر سنی تنظیموں کو وہابیوں اور قادیانیوں سے بدتر کہنا یہ مسلمانوں کو مطلق بدتر کہنا ہے حالانکہ سنی تنظیوں میں ہر طرح کے مسلمان موجود ہوتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو برا کہنا ہے، پھر جھوٹی قسمیں کھانا، جھوٹ بولنے کی کثرت اور لوگوں کا مال دبانے کی عادت، یہ سب فسق ہیں۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے: سباب المسلم فسوق ۔ مسلمان کو بلا وجہ شرعی برا کہنا فسق ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الایمان باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی) اور اللہ تعالی فرماتا ہے: ولاتنابزوا بالالقاب بئس لاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئك هم الظّٰلمون ۔ (القرآن الکریم) مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد نہ کرو ایمان کے بعد فسق کیا ہی برا نام ہے اور جو توبہ نہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو ایسے لقب سے نہ پکارو جو اسے ناگوار ہو اگر چہ وہ عیب اس میں موجود ہو۔ ایسی حرکتیں فسق ہیں تم مسلمان ہو کر فاسق کیوں بنتے ہو ان سب حرکتوں سے علیحٰدہ رہو۔ (تفسیر نور العرفان) آیہ کریمہ بتا رہی ہے کہ تم نے مثلاً سنی تنظیموں کے تمام مسلمانوں کا لقب ''وہابیوں اور قادیانیوں سے بدتر'' رکھا تو یہ سنی تنظیم والے تمہارے کہنے سے بدتر نہ ہو جائیں گے مگر زید کا نام بدل گیا مومن سے فاسق ہو گیا کتنی بری تبدیلی ہے اور جو توبہ نہ کرے وہی ظالم۔ اعلی حضرت...... نے بھی کسی مسلمان کو برا کہنے کے متعلق اسی طرح کے استفتاء میں اسی قسم کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ ایک مقام پر امام اہل سنت الشاہ مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: کسی مسلمان جاہل کو بھی بے اذن شرع گالی دینا حرام قطعی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج 10، نصف اول، ص 104) اور یہاں ایک مسلمان کو گالی نہیں بلکہ پوری سنی جماعت والوں کا گالی دی ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : مسلمان کو گالی دینا

فسق (گناہ) ہے۔(مسلم،کتاب الایمان،رقم116،ص52)دوسری حدیث میں فرمایا:مسلمان کوگالی دیناخودکو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ (الترغیب والترہیب،کتاب الادب،رقم الحدیث3،ج،ص313)واللہ تعالیٰ اعلم

فاسق کے ساتھ میل جول رکھنے کاحکم:......وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ : 68 مفسیر قران ملاجیون ......تفسیر احمدیہ صفحہ 50 پراس آیت کے تحت لکھتے ہیں: اس آیت کے حکم میں ہر کافر،مبتدع اور فاسق داخل ہے اوران میں سے کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

امام بنانے کاحکم:......زید کی یہ عادتین کبیرہ گناہوں میں سے ہیں لہذا اس کوامام بنانا گناہ ہے۔فتاویٰ حجہ میں ہے :لوقدموافاسقایاثمون . اگرانھوں نے فاسق کومقدم کیاتو گنا گارہوں گے۔(غنیة المستملی شرح منیة المصلی،فصل فی الامامة،مطبوعه سهیل اکیڈمی لاهور،ص 513) تبیین الحقائق میں ہے:لان فی تقدیمه للامامة تعظیمة وقد وجب علیهم اهانته شرعا ۔کیونکہ امامت کے لئے فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ اس کی اہانت شرعاً واجب ہے.(تبیین الحقائق ،باب الامامة،المطبعة الکبر ی الامیر یه بولاق مصر،ج 1ص134)علامہ شامی نے بھی ردالمختار ج5 ص266 پرلکھاہے:بِخِلَافِ الْفَاسِقِ ؛ فَإِنَّهُ اسْتَظْهَرَ فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ أَنَّهَا تَحْرِيمِيَّةٌ لِقَوْلِهِمْ إنَّ فِي تَقْدِيمِهِ لِلْإِمَامَةِ تَعْظِيمَهُ وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْنَا إهَانَتُهُ ، بَلْ عِنْدَ مَالِكٍ وَرِوَايَةٌ عَنْ أَحْمَدَ :لَا تَصِحُّ الصَّلَاةُ خَلْفَهُ .

اگرزیداپنے اس قول پرمصر یعنی اصرار بھی کرتا ہے ایسی صورت میں مذکور فی السوال شخص فاسق ہے اوراس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے تاوقتیکہ اپنے اس گناہ سے توبہ نہ کرلے۔یہ حکم اس فسق پر ہے جوقطعی الثبوت اور غیرمؤوّل ہے جیسے قتل،چوری،زنا،وغیرہ البتہ جس کا فسق مؤول اورظنی ہواس کی اقتداء میں نماز مکروہ تنزیہی ہے۔(شرح صحیح مسلم ج2 ص306)اگرعلانیہ فسق وفجور کرتا ہے اور دوسرا کوئی امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا نماز پڑھیں۔فان تقدیم الفاسق اثم والصلاة خلفه مکروهة تحریما والجماعة واجبة فهما فی درجة واحدة ودرء المفاسد اهم من جلب المصالح ۔کیونکہ تقدیمِ فاسق گناہ ہے اوراس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور جماعت واجب ہے،پس دونوں کا درجہ ایک ہوا،لیکن مصالح کے حصول سے مفاسد کوختم کرنا اہم اورضروری ہوتا ہے۔(فتاوی رضویہ ج 6 ص601)لہذا مطلع شخص کی نماز واجب الاداہوگی۔

اوراس کے برعکس اگرگناہ چھپا کرکرتا ہے تواس کے پیچھے نماز پڑھیں اوراس کے فسق کے سبب جماعت نہ چھوڑیں،لان الجماعة واجبة والصلاة خلف فاسق غیر معلن لاتکره الاتنزیهاـ واللہ تعالیٰ اعلم کیونکہ جماعت واجب ہے اورفاسق غیرمعلن کے پیچھے نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے۔(فتاوی رضویہ ج6 ص601)یعنی خلاف اولیٰ۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

متخصص فی الفقه
عاصی ابوالانوارڈاکٹر ذوالفقارعلی قریشی غَفَرَہٗ اللّٰہُ تعالی
21 صفرالمظفر 1433ھ بمطابق 16 جنوری 2012ء
انواریہ دارالافتاءلیاقت آبادنمبر ۲ کراچی

بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ والسلام علیک یارسولَ اللہ

سبز رنگ اور سبز عمامہ

پرمدلّل فتویٰ

مؤلف:

ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی مدنی قریشی بن اللہ دیا قریشی غفرھما اللہ تعالیٰ

ناشر: دارالافتاء انواریہ لیاقت آباد نمبر 7 کراچی

فون#: 0321-6330166

الاستفتاء: # 2

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفیانِ عظام اس بارے میں کہ زید کہتا ہے: سبز رنگ اور سبز عمامے کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں آیا اور نہ اس کی کوئی اصل ہے نبی سے نہ صحابہ سے نہ تابعین سے حتیٰ کہ آج تک کسی نے استعمال نہیں کیا۔ زید کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کے دلائل مع حوالہ ارشاد فرمادیجئے، بینواوتوجروا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

الجواب:

زید کا ایسا کہنا درست نہیں اور جہالت پر مبنی ہے یعنی زید کی احادیث وتواریخ کی کتب پر نظر نہیں۔ چند مختصر دلائل مع حوالہ آپ کے سوال کے مطابق حاضر ہیں:

سبز رنگ اور سبز عمامہ

کس کس نے استعمال کیا؟

رسول اللہ ﷺ کو سب رنگوں میں ﴿سبز رنگ﴾ زیادہ پسند تھا جیسا کہ حدیث میں ہے: كان أحب الألوان إليه الخضرة۔ (کنز الاعمال ج7 ص118)

حضور ﷺ نے دو ﴿سبز﴾ کپڑے استعمال کئے ہیں جیسا کہ ترمذی میں ہے: عَنْ أَبِي رِمْثَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ

(ترمذی ج10 ص433/9)

ایک اور روایت میں دو ﴿سبز﴾ کپڑے استعمال کرنے کا ذکر یوں ہے: حَجَجْتُ فَرَأَيْتُ رَجُلًا جَالِسًا فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَقَالَ أَبِي تَدْرِي مَنْ هَذَا هَذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَيْهِ إِذَا رَجُلٌ ذُو وَفْرَةٍ بِهِ رَدْعٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ

(مسند احمد ج2 ص227: ح7112)

مزید سنن نسائی میں ہے: وعن أبي رِمْثَة رفاعَةَ التَّيمِيِّ رضی اللہ عنہ قال: رأيتُ رسولَ الله ﷺ وعليه ثوبانِ أخْضَرَانِ. (سنن النسائی الکبری ج5 ص480)

روایت ہے حضرت ابورمشہ تیمی سے فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ پر دو سبز کپڑے تھے۔ یعنی قمیص اور تہبند شریف یا تو بالکل سبز تھے یا اس میں سبز دھاریاں تھیں پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں (کیونکہ) جنتیوں کا لباس سبز ہوگا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: "عَلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ" اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو ہرے کپڑے کا استعمال جائز ہے۔ (مراۃ المناجیح ج6)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب رنگوں میں ﴿سبز رنگ﴾ زیادہ پسند تھا جیسا کہ حضرت مالک اشتر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: قَالَ مَالِكٌ الْأَشْتَرُ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ أَيُّ الْأَلْوَانِ أَحْسَنُ ؟ قَالَ الْخُضْرَةُ ؛ لِأَنَّهَا لَوْنُ ثِيَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (الآداب الشرعية ج ٤ ص ٥٣٢)

حضور کی آل کے لئے تو خاص ﴿سبز عمامے﴾ کا انتخاب کیا گیا ہے جیسا کہ اس روایت میں ہے: أو سب احداً من ذريته ﷺ فإنه يشدد عليه في التأديب بالضرب إن علم أنه من آله ﷺ و إن لم يكن من آل بيت النبوة وادعى صراحة أو أحتمالا أنه من ذريته ﷺ، كلبس عمامة خضراء ونحو ذلك، فلا يبالغ في تقريره و تأديبه۔

(حاشية الصاوی علی الشرح الصغير ج 10 ص242)

فضل بن ابومہلب ۹۹ھ کا نیک سیرت نوجوان خلیفہ تھا جو ﴿سبز عمامہ، سبز حلہ، سبز قالین، سبز ماحول﴾ پسند کرنے کے ساتھ ساتھ استعمال بھی کیا کرتا تھا جیسا کہ اس روایت میں ہے:

ذكر الفضل بن المهلب وغيره، أنه لبس في يوم جمعة حلة صفراء ثم نزعها ولبس بدلها حلة خضراء واعتم بعمامة خضراء وجلس على فراش أخضر، وقد بسط ما حوله بالخضرة ثم نظر في المرآة فأعجبه حسنه وشمر عن ذراعيه و قال: أنا الخليفة الشاب وقيل إنه كان ينظر في مرآة من فرقه إلى قدمه ويقول: أنا الملك الشاب (البداية والنهاية 12/648) وفي رواية أنه كان ينظر فيها ويقول: كان محمد نبياً ﷺ و كان أبو بكر صديقاً و عمر فاروقاً و كان عثمان حيياً و كان علي شجاعاً و كان معاوية حليماً و كان يزيد صبوراً و كان عبد الملك سائساً و كان الوليد جباراً و أنا الملك الشاب

(البداية والنهاية 12/648 / المصدر نفسه 12/648)

وفي حيــاة الحيوان وقال: كان فينا نبينا محمد ﷺ نبيا ورسولاً، و كان أبو بكر رضی اللہ عنہ صديقا، و كان عمر رضی اللہ عنہ فاروقاً، و كان عثمان رضی اللہ عنہ حييا، و كان علي رضی اللہ عنہ شجاعا، و كان معاوية رضی اللہ عنہ حليما، و كان يزيد صبورا، و كان عبد الملك سائسا، و كان الوليد جبارا، و أنا الملك الشاب،

عمر بن عبدالعزیز کے خلیفہ سلمان بن عبدالملک ﴿سبز عمامہ، سبز حلہ﴾ زیب تن کیا کرتا تھا جیسا کہ اس روایت میں ہے: إن سليمان لبس يوماً حلة خضراء وعمامة خضراء ونظر في المرآة فقال: أنا الملك الفتى

(الكامل في التاريخ ج 2 ص362/التاريخ الطبري ج 4 ص57)

خواب میں شیخ عماد الدین رحمہ اللہ کو جنت میں اس حال میں دیکھا گیا کہ ان کے جسم پر ﴿سبز حلہ﴾ اور سر پر ﴿سبز عمامہ﴾ تھا جیسا کہ اس روایت میں ہے: فنمت فرأيت الشيخ العماد في المنام وعليه حلة خضراء وعمامة خضراء، وهو في مكان متسع كأنه روضة، وهو يرقى في درج متسعة، فقلت: يا عماد الدين

كيف بت فإني والله مفكر فيك ؟ فنظر إلي وتبسم على عادته التي كنت أعرف (ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب، ج 1،225/البداية والنهاية ج 13ص92)

اولین مہاجرین ﴿سیاہ﴾ ﴿سفید﴾ ﴿سرخ﴾ ﴿پیلا﴾ اور ﴿سبز﴾ عمامہ استعمال کیا کرتے تھے جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ:حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ،عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ،عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ ، قَالَ:أَدْرَكْتُ الْمُهَاجِرِينَ الأَوَّلِينَ يَعْتَمُّونَ بِعَمَائِمَ كَرَابِيسَ سُودٍ، وَبِيضٍ، وَحُمْرٍ،وَخُضْرٍ،وَصُفْرٍ،يَضَعُ أَحَدُهُم الْعِمَامَةَ عَلَى رَأْسِهِ، وَيَضَعُ الْقَلَنْسُوَةَ فَوْقَهَا،ثُمَّ يُدِيرُ الْعِمَامَةَ هَكَذَا،يَعْنِي عَلَى كَوْرِهِ ،لاَ يُخْرِجُهَا مِنْ تَحْتِ ذَقَنِهِ ۔

(مُصنف ابن أبي شيبة ج 8 ص241)

غزوۂ بدر میں فرشتوں نے ﴿سفید﴾ ﴿سیاہ﴾ ﴿سرخ﴾ ﴿پیلے﴾ اور ﴿سبز﴾ عمامے باندھے ہوئے تھے جیسا کہ اس روایت میں ذکر ہے: وكان على الملائكة يوم بدر عمائم بيض قد أرسلوها إلى ظهورهم أي إلا جبريل فإنه كان عليه عمامة صفراء أي وقيل حمراء قال بعضهم وكان بعضهم بعمائم خضر وبعضهم بعمائم صفر وبعضهم بعمائم حمر أي وبعضهم بعمائم بيض وبعضهم بعمائم سود فلا منافاة

(السيرة الحلبية في سيرة الأمين المأمون ج 2 ص425)

غزوۂ بدر میں ابن مسعود ﴿سرخ﴾ ﴿پیلے﴾ اور ﴿سبز﴾ عمامے کا ذکر کرتے ہیں: وعن ابن مسعود ﷺ كانت سيما الملائكة يوم بدر عمائم قد أرخوها بين أكتافهم خضر وصفر وحمر

(السيرة الحلبية في سيرة الأمين المأمون ج 2 ص425)

ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں جنگ حنین میں فرشتے ﴿سبز عمامے﴾ پہن کر آئے تھے جیسا کہ اس رویت میں ہے: عن ابن عباس ﷺ قال: كانت سيما الملائكة يوم بدر عمائم بيض قد أرسلوها إلى ظهورهم ويوم حنين عمائم خضر ولم تقاتل الملائكة يوما إلا يوم بدر،إنما كانوا يكثرون عددا ومددا لا يضربون (تفسير بغوى ج 3 ص33/خازن ج3ص12/دلائل النبوة لاصبهاني، ج 1،ص492)

جنگ احد میں بھی فرشتے ﴿سبز عمامے﴾ پہن کر آئے تھے جیسا کہ اس رویت میں ہے: وجاء عنه أنه قال أيضاً كانت سيما الملائكة يوم بدر عمائم بيضاء،ويوم أحد عمائم خضراء

(تفسير وسيط ص 1789)

ابن خزیمہ نے ابوعمار الحسین بن حریث المروزی کو خواب میں منبر رسول پر سفید سوٹ اور ﴿سبز عمامے﴾ میں دیکھا جیسا کہ ذکرہ أبو حاتم بن حبان في كتاب الثقات وقال أبو بكر بن خزيمة رأيت أبا عمار الحسين بن حريث المروزي في المنام بعد وفاته كأنه على منبر رسول الله ﷺ وكأن عليه ثيابا بيضا وفي رأسه عمامة خضراء

(تاريخ الإسلام لذهبي ج18ص237)

اولیاء اللہ بالخصوص محمد بن خلیل صمادی شافعی قادری عارف باللہ اپنی نسبت وشرافت کے سبب ﴿سبز عمامہ﴾ پہنا کرتے تھے جیسا کہ روایت میں ہے: ثم هم الآن يتعممون بالعمائم الخضر لثبوت نسبهم،

(منادمة الأطلال ومسامرة الخيال ج 1ص283)

خواب میں عماد قدس سرہ کو ﴿سبز حلے﴾ اور ﴿سبز عمامے﴾ میں دیکھا گیا جیسا کہ اس قول میں ہے: قلت أرجو أن العماد يرى ربه كما رآه سفيان عند نزل حفرته ونمت فرأيت العماد في النوم وعليه حلة خضراء وعمامة خضراء (ذيل طبقات الحنابلةلابن رجب ج 1 ص522/ شذرات الذهب في أخبار من ذهب لابن العماد حنبلي ج5ص85)

خولہ بن ازور کہتے ہیں کہ خالد ہمارے درمیان ﴿سبز عمامہ﴾ پہن کر اشعار پڑھ رہے تھے جیسا کہ اس قول سے معلوم ہو رہا ہے: فبينما خالد يترنم بهذه الأبيات إذ نظر إلى فارس على فرس طويل وبيده رمح طويل و هو لا يبين منه إلا الحدق والفروسية تلوح من شمائله و عليه ثياب سود وقد تظاهر بها من فوق لامته وقد خرم وسطه بعمامة خضراء وسحبها على صدره ومن ورائه (فتوح الشام للواقدي المتوفى 207ھ ج1ص40)

زید بن اسید سلمی کے پاس منصور کا قاصد ﴿سبز عمامہ﴾ پہن کر آیا جیسا کہ علامہ جاحظ نے لکھا ہے: وقال أبو الحسن وغيره:قدم يزيد بن أسيد السلمي رسولٌ من قبل المنصور، فدخل الرسول وكان شديد السواد وعليه عمامةٌ خضراء وعليه خفتان أحمر فجعل يتكلم،فقال يزيد: حسبك يا غراب البين. (البرصان والعرجان للجاحظ، ج1،ص21)

﴿سبز عمامہ﴾ صوفیہ اور شرفاء کے زہد اور فقر کی خاص نشانی ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے لکھا: أنّ للصوفية لباس خاص يعني للزهاد أو للفقراء،وكما حدث في المئة الثامنة أنْ يُخصّ آل البيت بلباس أخضر يجعلونه على أكتافهم أو بعمامة خضراء (موقع لقط المرجان لأبى حمد ج 52ص50)

جواذان سکھانے کیلئے فرشتہ آیا تھا اس نے بھی ﴿سبز﴾ رنگ کے کپڑے کا استعمال کیا ہوا تھا جیسا کہ صحیح ستہ کی حدیث میں ہے: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ هَمَّ بِالْبُوقِ وَأَمَرَ بِالنَّاقُوسِ فَنُحِتَ فَأُرِيَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ فِي الْمَنَامِ قَالَ رَأَيْتُ رَجُلًا عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ يَحْمِلُ نَاقُوسًا فَقُلْتُ لَهُ يَا عَبْدَ اللَّهِ تَبِيعُ النَّاقُوسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهِ قُلْتُ أُنَادِي بِهِ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ أَفَلَا أَدُلُّكَ عَلَى خَيْرٍ مِنْ ذَلِكَ قُلْتُ وَمَا هُوَ قَالَ تَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ حَتَّى أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِمَا رَأَى قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتُ رَجُلًا عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ يَحْمِلُ نَاقُوسًا فَقَصَّ عَلَيْهِ الْخَبَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ رَأَى رُؤْيَا فَاخْرُجْ مَعَ بِلَالٍ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأَلْقِهَا عَلَيْهِ وَلْيُنَادِ بِلَالٌ فَإِنَّهُ أَنْدَى صَوْتًا مِنْكَ قَالَ فَخَرَجْتُ مَعَ بِلَالٍ إِلَى الْمَسْجِدِ فَجَعَلْتُ أُلْقِيهَا عَلَيْهِ وَهُوَ يُنَادِي بِهَا فَسَمِعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِالصَّوْتِ فَخَرَجَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ الَّذِي رَأَى

(ابن ماجه ج2ص403)

حضور ﷺ نے اکثر سفید اور کبھی کبھی ﴿سبز عمامہ﴾ استعمال کیا ہے جیسا کہ اس روایت میں ہے: وكان الرسول ﷺ يعتم بعمامة بيضاء وأحياناً خضراء أو غير ذلك .

(موسوعة الدفاع عن رسول اللهﷺ ج 2 ص205)

حضور کے سامنے صحابہ کرام بھی ﴿سبز عمامہ﴾ رنگ استعمال کیا کرتے تھے :مر بنا رسول اللهﷺ فاستسقى فقمت إلى كوز فسقيته فسأله رجل عليه ثوبان أخضران فقال: تعبد الله لا تشرك به شيئا وتقيم الصلاة وتؤتي الزكـاة قال:ثم قال:خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم

(طبرانی کبیر ج 24 ص257)

ایک اور روایت میں ہے کہ عوام ﴿سبز عمامے﴾ پہنتی تھی جیسا کہ مروی ہے:حتى بلغت إلى نهر فسرت فيه و كلما سرت اتسع ذلك النهر فبينا أنا كذلك إذ طلع على فارس تحته شهباء وهو معم بعمامة خز أخضر لا أرى منه سوى عينيه وفي رجليه خفان أحمران فقال لي يا حسين لا هو لقبني ولا كناني قلت ماذا تريد

(فرج المهموم فی تاريخ علماء النجوم لابن طاوس، ج 1ص104)

قال رأيت كأني واقف بازاء اعدائنا من الروم إذ حف بنا رجال وعليهم ثياب بيض لم أر كهيئتها حسنا لبياضها اشراق ونور يغشى الأبصار وعلى رؤوسهم عمائم خضر

(فتوح الشام للواقدی المتوفی 207ھ ج1ص191)

امام مالک نے اسمان سے اترنے والے ایک خوبصورت نوجوان کا ذکر اس طرح کیا کہ وہ سفید لباس اور ﴿سبز عمامے﴾ میں تھا جیسا کہ اس قول میں ہے:قال مالك:فلما كان اليوم الثالث من يوم دفنه رآه رجل من خيار أهل بلدنا في أحسن صورة غلام أمرد،و عليه بياض، متعمم بعمامة خضراء،وتحته فرس أشهب ناز من السماء فكأنه كان يأتيه قاصدًا ويسلم عليه۔

(شرح بخاری ابن بطال ج 1 ص143)

قرب قیامت میں حضرت عیسی علیہ السلام جب آسمان سے اتریں گے تو ﴿سبز عمامے﴾ میں ہوں گے جیسا کہ روایت میں ہے:ثُمَّ يَهْبِطُ عِيسَى علیہ السلام وَهُوَ مُتَعَمِّمٌ بِعِمَامَةٍ خَضْرَاءَ (الكتاب :عقد الدرر في أخبار المنتظرالمؤلف :يوسف بن يحيى بن علي المقدسي الشافعي السلمي ج 1، ص60)

روایت ہے ابوسعید سے فرماتے ہیں: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو پہنائے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز جوڑے پہنائے گا۔(ترمذی) جنتیوں کا لباس (بھی) سبز ہوگا رب تعالیٰ نے فرمایا: وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا (اور وہ سبز رنگ کے کپڑے استعمال کریں گے)(مراۃ ج ۳)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:"انظر الى الخضرة يزيد في البصر" سبز رنگ کی طرف نظر کرنا بینائی کو زیادہ کرتا ہے (ضیاء القلوب فی لباس المحبوب ص ۳) پھر خاص عمامہ کے مطابق ارشاد فرمایا:''دستار مبارک آنحضرت ﷺ اکثر اوقات سفید بودو گاہے دستار سیاہ داجانا سبز ''یعنی حضور کی دستار مبارک اکثر سفید اور کبھی سیاہ اور کبھی سبز ہوتی تھی ۔(ایضا ص ۴) لہذا آپ رحمہ اللہ نے اسے بہترین لباس میں شمار فرمایا ہے: بهترين لباس سفيد است و بدستار سياه و سبز و پائجامه (ایضا ص ۷) بلکہ بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ سبز رنگ ہی حضور کو محبوب ترین تھا چنانچہ مشکوۃ شریف میں بروایت انس ہے''كا ن احب الثياب الى النبي ﷺ ان يلبسها الحبرة ۔(مشکوۃ شریف ص ۳۱۸) اسی حدیث میں حبرہ پہنا جائے کے تحت حضرت علامہ علی قاری رحمہ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:''قيل لكو نها خضر اوهي من ثياب اهل الجنة وقد ورد كان احب الالوان اليه الحضرة ''۔ یہ بھی کہا گیا کہ سبز رنگ اہل جنت کے لباسوں میں سے ہے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ رنگوں میں سبز رنگ حضور کو محبوب ترین تھا (حاشیہ مشکوۃ ص ۳۱۸) درمختار میں ہے:''ولا باس بسائر الا لون ''کسم اور زعفران کے رنگے ہوئے سرخ وزرد رنگ کے علاوہ سارے رنگ (مردوں) کو پہننے میں مضائقہ نہیں بلکہ صاحب روضہ نے تو یہاں تک تحریر فرمایا:''يجوز للرجال والنساء لبس الثواب الا حمر و الاخضر بلا كر احة ''مردوں اور عورتوں کو سرخ وسبز کپڑا پہننا بلا کراہت جائز ہے۔(درالمختار مصری ج ۵ ص ۳۱۴) علامہ شامی نے سرخ رنگ کی طویل بحث کے بعد فیصلہ فرمایا کہ'' لكن جل الكتب علي الكراهة ''لیکن جلیل الشان کتابیں کراہت پر ہیں۔(ایضا ج ۵ ص ۳۱۴) علامہ شامی کا سرخ کو مکروہ بتانا اور سبز رنگ کے لئے کچھ نہ فرمانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ سبز رنگ ان کے نزدیک بھی جائز وسنت ہے چنانچہ فرماتے ہیں:''ولبس الا خضرسنة كمافي الشرعة ''۔(ایضا ص ۲۰۷) ہاں ایام محرم الحرام میں تین قسم کے رنگ نہ پہنے جائیں اعلحضرت ارشاد فرماتے ہیں۔ایام محرم میں یعنی پہلی محرم سے بارہویں تک تین قسم کے رنگ نہ پہنے جائیں (۱)''سیاہ'' کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے (۲)''سبز'' کہ یہ مبتدعین یعنی تعزیہ داروں کا طریقہ ہے (۳)''سرخ'' کہ یہ خارجیوں کا طریقہ ہے کہ وہ معاذ اللہ اظہار مسرت کے لئے سرخ پہنتے ہیں۔(بہار شریعت، ح ۱۶،ص ۵۳) میرے بھائی کسی مقام کا رواج ''اور'' چیز ہے اور حکم دوسری چیز، پھر شریعت میں کسی حکم کا مصرح نہ ہونا ''اور'' ہے، اور عدم جواز شے دیگر، کسی مقام کے عوام وعلما اگر سفید ہی عمامے باندھتے ہوں تو یہ دوسرے رنگ کی ممانعت کی دلیل نہیں اور اگر شریعت مقدسہ نے کسی چیز کے متعلق کچھ بیان نہ فرمایا ہو تو یہ اسکی کراہت وحرمت کو مستلزم نہیں ہیں۔ یہاں بفضلہ تعالی شریعت مطہرہ سے اس کا جائز ومسنون ہونا ثابت کر چکا، آج جب کہ سفید عمامہ کے علاوہ ہر رنگ کے عمامہ کو ناجائز سمجھا جانے لگا ہے میں ان علماء کرام کی خدمت میں جو صرف سفید ہی عمامے استعمال فرماتے ہیں دست بستہ گزارش کروں گا کہ اے نائبان مصطفیٰ زمانہ روش بدل گیا آپ بھی اپنی طرز میں تھوڑی سی تبدیلی اختیار فرمائیں اور گاہے بگاہے رنگین عمامے کا استعمال فرما کر عوام کے خیالات کی اصلاح فرمادیں آپ ہی حضرات کی تعلیم کی بدولت ہم درمختار وردالمختار میں یہ جزئیہ پاتے ہیں: وتر میں تین سورتیں سنت ہیں سبح اسم، قل یا ایہا الکفرون، قل ہو اللہ احد لیکن نہایہ میں ہے کہ ہمیشہ ان سورتوں کا تعین بعض لوگوں کا اعتقاد اس جانب لے جائے گا کہ واجب ہیں اور ایسا اعتقاد جائز نہیں تو اگر وہ سورتیں کہ جنکے بارے میں احادیث کریمہ وارد ہوئی ہیں کبھی کبھی بلا ہمیشگی کئے پڑھے تو بہتر ہے۔(ایضا اول ص ۴۳۳) یہی علامہ شامی رحمہ الباری فرماتے ہیں اگر یہ سورتیں آسانی کے لحاظ سے پڑھے یا حضور ﷺ کی قرأت مبارکہ کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی غرض سے پڑھے تو کراہت نہیں لیکن شرط یہ کہ کبھی کبھی انکے علاوہ دوسری سورتیں بھی پڑھ لیا کریں تا کہ جاہل یہ نہ کرے کہ انکے علاوہ جائز ہی نہیں (ایضا ۵۰۸)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ سبز رنگ اور سبز عمامہ کا استعمال قرآن، حدیث، صحابہ، تابعین، بزرگان دین، علماء کاملین، حتی کہ عوام تک نے استعمال کیا ہے لہذا سوال مذکور میں زید کا قول درست نہ مانا جائے گا۔ واللہ تعالی اعلم

کتبہ

متخصص فی الفقه

ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالی

25 صفر المظفر 1433ھ بمطابق 20 جنوری 2012ء

دارالافتاء انواریہ لیاقت آباد نمبر ۲ کراچی

انواریہ دار الافتاء

الاستفتاء: # 3

کیا فرماتے ہیں علما کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی حیات میں اپنی اولاد اور اپنے درمیان وراثت کی تقسیم کرنا چاہتا ہے اس کے پاس کل رقم بائیس لاکھ ہے جبکہ اس کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے تو وہ کس طرح تقسیم کرے؟ بینوا وتوجروا۔

سائل: مولانا قاضی ولی محمد قادری کراچی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين

رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مذہب مفتی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں اور بیٹی سب کو برابر برابر دیا جائے، امام ابو یوسف کا یہ ہی قول ہے اور للذكر مثل حظ الانثيين دینا بھی ممنوع و ناجائز نہیں جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اگرچہ ترک اولیٰ ہے۔

ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے: الفتوی علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی هو قول محمد (ردالمحتار کتاب الھبۃ ج4 ص513)۔ فتوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کہ مرد اور عورت کو نصف نصف دینا چاہیئے۔

حاشیہ طحطاوی میں فتاوی بزازیہ سے ہے: الافضل فی هبة البنت والابن التثلیث کالمیراث وعند الثانی التنصیف وهو المختار (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت 3/400) بیٹی اور بیٹے کو ہبہ دینے میں تین حصے میراث کے طور پر افضل ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نصف نصف دینا افضل ہے اور یہی مختار ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت 3/399) قول امام ابو یوسف علیہ رحمہ کے حساب سے 2200000 میں سے ہر ایک کو 440000 روپے ملیں گے۔

اگر امام محمد علیہ رحمہ کے قول کے مطابق شرعی تقسیم کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ میت کی میراث تو تقسیم میں دو قسم کا اعتبار ہوگا کہ سب سے پہلے چار حصے کئے جائیں گے ان میں سے چھٹا بطور باپ یا آٹھوا بطور زوج کے اور باقی للذكر مثل حظ الانثيين کے تحت تین حصوں کو بیٹی اور بیٹوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا یعنی سات حصے کئے جائیں گے جن میں سے دو دو بیٹوں کو اور ایک حصہ بیٹی کا ہوگا دونوں طرح سے نیچے ٹیبل میں تقسیم کر دیا گیا ہے جس کو اپنانا چاہیں اپنائیے مگر افضل پر عمل کرنا زیادہ اولیٰ ہے جو کہ اوپر ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

٦		
میت		
باپ	بیٹا	بیٹی
7/42	10/42	5/42
[illegible] %	[illegible] %	[illegible] %
باعتبار باپ کا حصہ [illegible]	فی بیٹے کا حصہ [illegible]	فی بیٹی کا حصہ [illegible]

٨		
میت		
زوج	بیٹا	بیٹی
1/8	2/8	1/8
[illegible] %	[illegible] %	[illegible] %
باعتبار زوج کا حصہ [illegible]	فی بیٹے کا حصہ [illegible]	فی بیٹی کا حصہ [illegible]

کتبہ

متخصص فی الفقہ

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالیٰ

28 ربیع الاول 1433ھ بمطابق 20 فروری 2012ء

انواریہ دارالافتاء لیاقت آباد نمبر ٦ کراچی

انواریہ دار الافتاء

الاستفتاء: # 4

کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) ''محمد افضل'' اپنی زندگی میں اپنی جائیداد شریعت کے مطابق تقسیم کرنا چاہتا ہے۔اس کا کیا حکم ہے؟ (۲) جبکہ میری کل زمین چار کنال ہے۔میرے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے، (۳) ایک بیٹا فوت ہو چکا ہے جس نے بیوی اور بیٹا یعنی میرا پوتا چھوڑا ہے میرے فوت شدہ بیٹے کے نکاح میں میری مرضی کے بغیر بطور مہر ڈیڑھ کنال زمین اور مکان لڑکی کے نام لکھوائے تھے لیکن ابھی تک بیٹے نے مہر ادا نہیں کیا تھا کہ وہ قضاء الٰہی سے فوت ہو گیا کیونکہ اس کے پاس مہر موجود نہ تھا اسوجہ سے ادا نہ کر سکا۔لہذا اب میں اپنی جائیداد تقسیم کس طرح کروں قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔جب کہ اپنے پوتے کو بھی دینا چاہتا ہوں اور بہترین مشورہ سے نوازیں۔شکریہ

سائل محمد افضل بارہ دری بلال کالونی ۲۳ جنوری ۲۰۱۲

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين

رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

(۱) پوچھے گئے سوال میں افضل ترین مذہب یہی ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں سب کو برابر برابر دیا جائے،امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے اورللذكر مثل حظ الانثيين دینا بھی ممنوع و ناجائز نہیں جیسا کہ امام محمد کا مذہب ہے اگر چہ ترک اولیٰ ہے۔

ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے: الفتوى على قول ابى يوسف من ان التنصيف بين الذكر والانثى افضل من التثليث الذى هو قول محمد (ردالمحتار کتاب الھبۃ ج4 ص513)۔ فتوٰی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی کے قول پر ہے کہ مرد اور عورت کو ادھا ادھا یعنی نصف نصف دینا، مرد کو دو اور عورت کو ایک، تین حصے بنانے سے بہتر ہے اور یہ تین حصے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔حاشیہ طحطاوی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے: امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک نصف نصف دینا افضل ہے اور یہی مختار ہے یعنی اسی پر عمل کیا جائے۔بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہب مختار پر اولیٰ برابری ہے یعنی ہر ایک کو برابر برابر دیا جائے، ہاں اگر بعض اولاد دین کی وجہ سے افضل ہو تو اس کو ترجیح دی جائے گی۔علامہ طحطاوی نے فرمایا: كما اذا كان احدهم مشتغلا بالعلم لابالكسب لاباس ان يفضله على غيره وفى المنح روى عن الامام انه لاباس به اذا كان التفضيل لزيادة فضل له فى الدين ...... الخ مثلا ایک علم دین میں مشغول ہے اور کسب نہیں کرتا تو اس کو دوسروں پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور منح میں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جب دین میں فضیلت رکھتا ہو تو اس کو فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے الخ۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت 3/399)

(۲) آپ اپنی کل زمین اپنی اولاد میں برابر برابر تقسیم کر دیجئے کہ یہی افضل اور آسان ہے۔ (۳) فوت شدہ کیلئے کچھ نہیں مگر یہ شک مجمل ہے کہ آیا لڑکے کے ولی مہر مقرر کرنے والے تھے یا خود دلہا کا حقیقتاً تو مہر لڑکے پر ہی عائد ہوتا ہے مگر باپ استحساناً دے دے تو ہو جائے گا اور نہ دے تو بیٹے پر باقی رہے گا۔

مشورہ: آپ ہر کسی چیز کو چھوڑ کر یہ کلیہ یاد رکھیئے کہ جائیداد کا مالک جس طرح چاہے جس کو چاہے جتنا چاہے اپنی زندگی میں دے سکتا ہے اور یہ ہبہ کہلاتا ہے کیونکہ ابھی وہ خود مالک ہے۔مرنے کے بعد مال اس کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملک میں چلا جاتا ہے اس لئے مرنے کے بعد اُسی طرح تقسیم ہوگا جس طرح شریعت حکم دے گی۔لہذا آپ جس کو جتنا چاہیں دے دیں چاہے پوتا ہی کیوں نہ ہو آپ پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔واللہ تعالی اعلم

کتبہ

متخصص فى الفقه

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالی

2 ربیع الآخر 1433ھ بمطابق 26 فروری 2012ء

انواریہ دارالافتاء لیاقت آباد نمبر ۲ کراچی

انواریہ دار الافتاء

الاستفتاء: # 5

کیافرماتے ہیں علماءکرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) زید کی بیوی نے کوٹ سے خلع لیا ہوا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (۲) ہم نے آپ سے استفتاء نمبر ۴ میں ڈیڑھ کنال زمین اور ایک مکان مہر کے بارے میں بھی پوچھا تھا اس کی تقسیم اور زید کی ایک بیوی دو بیٹے اور ایک لے پالک بیٹی ہے جن میں سے ایک بیٹا فوت ہو چکا ہے جس نے بیوی اور بیٹا یعنی پوتا چھوڑا ہے۔ان میں ایک مکان اور چار کنال زمین کو شریعت کے مطابق کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ بینوا جوتروا۔ سائل محمد افضل بارہ دری بلال کالونی فروری ۲۰۱۲

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين

رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

(۱) شریعت میں بیوی کو خلع کا حق حاصل ہے اگر شرعی قاضی ہو تو خلع درست ہے مگر فی زمانہ شرعی قاضی موجود نہیں ہے اس لئے صرف کوٹ سے خلع لینے پر طلاق واقع نہیں ہوگی لہذا بیوی پہلے شوہر ہی کی کہلائے گی اور اسے شوہر کے ساتھ رہنے کا حق حاصل ہے، جبکہ کوٹ میں یا کسی بھی طرح شوہر نے طلاق نہ دی ہو۔

(۲) زمین کی تقسیم مسئلہ ۸ سے ہوگی: سب سے پہلے ایک مکان اور ڈیڈھ کنال یعنی 30 مرلہ زمین مہر کی نکال کر ادا کر دی جائے پھر بقیہ تقسیم اس طرح ہوگی:

مــــــیت

بیوی	بیٹا	لے پالک بیٹی	پوتا
1/8	7/8	×	×
6.25مرلہ	43.75مرلہ	×	×

کتبہ

متخصص فی الفقہ

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالی

5 ربیع الآخر 1433ھ بمطابق 28 فروری 2012ء

انواریہ دارالافتاء لیاقت آباد نمبر ۲ کراچی

انواریہ دار الافتاء

الاستفتاء: # 6

جناب مفتی ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی صاحب کیا فرماتے ہیں مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ حضور ﷺ کے والدین مؤمن ہیں یا نہیں، ان کو "رضی اللہ عنہما" کہنا کیسا اور مزید یہ کہ ان کو جنتی گمان کیا جائے یا جہنمی؟ دلائل کے ساتھ ساتھ حوالہ جات عنایت فرما کر مشکور ہوں۔

سائل: محمد جاوید سیانی Deputi Distrect attarney لیاقت آباد کراچی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علی سيد المرسلين

رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

مذہب صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس، سید عالم ﷺ کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبداللہ اور حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہلِ توحید و اسلام و نجات ہیں، بلکہ حضور کے آبا و امہات حضرت عبداللہ و آمنہ سے لیکر حضرت آدم و حوا تک مذہب ارجح میں سب اہلِ اسلام و توحید ہیں یعنی مؤمن، جنتی اور رضی اللہ عنہما کہنے کے لائق و حقدار ہیں۔ دلائل مع حوالہ ملاحظہ کیجئے:

دلیل ﴿1﴾ بخاری شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: بعثت من خير قرون بنی أدم قرناً فقرناً حتی كنت من القرن الذی كنت منه۔ رواه البخاريفی صحيحه عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه ۔ مجھے ہر قرن و طبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی ﷺ قدیمی کتب خانہ کراچی ج ا ص503) اور حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حدیث صحیح میں ہے: لم يزل علی وجه الدهر (الارض) سبعة مسلمون فصاعداً فلولاذلك هلكت الارض ومن عليها۔ اخرجه عبدالرزاق وابن المنذر بسند صحيح علی شرط الشيخين ۔ روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور موجود رہے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔ اس کو عبدالرزاق اور ابن المنذر نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ☆ اور حضرت عالم القرآن حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے: ماخلت الارض من بعد نوح من سبعة يرفع الله بهم عن اهل الارض ۔ نوح علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ احمد فی الزہد الخ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت 1 ص147) (الحاوی للفتاوی بحوالہ احمد فی الزہد والخلال فی کرامات الاولیاء الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2/212)

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر کم سے کم سات مسلمان بندگان مقبول ضرور موجود رہے ہیں، اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے میں، ہر قرن میں خیار قرن یعنی بہترین طبقے سے ہوئے، اور آیت قرآنیہ ناطق ہے کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم بالانسب ہو، کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ ﷺ کے آباء و امہات ہر قرن اور طبقہ میں انہیں بندگان صالح و مقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و قرآن عظیم میں ارشاد حق جل وعلا کے مخالف ہوگا۔ بخاری شریف کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں کہ یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک میرا نور جس قبیلہ و خاندان میں رہا وہ ہمیشہ دنیا بھر میں تمام خاندانوں سے بہتر تھا اس میں اچھی خصلتیں شرافت۔ نجابت تھی اور جن کے پیٹھوں یا پیٹوں میں یہ نور رہا وہ زنا اور کفر و شرک سے محفوظ رہے از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضور انور کا کوئی دادا دادی کافر نہ ہوئے سب موحد مومن رہے۔ (مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ بحوالہ بخاری ج8 ص15)

دلیل ﴿2﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: وتوكل علی العزيز الرحيم ○ الذی يرٰك حين تقوم ○ وتقلبك فی السٰجدين ○۔ بھروسا کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوا اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنیوالوں میں۔ (القرآن الکریم 26/217 تا 219) امام رازی اس آیت کے معنی یہ کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔ (مفاتیح الغیب تحت آیۃ 219 / 24/149) اسی آیہ کریمہ کی تفسیر سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ایک نمازی سے دوسرے نمازی کی طرف منتقل ہوتا آیا۔ (معالم التنزیل مع الخازن آیہ تقلبک فی الساجدین کے تحت مصطفیٰ البابی مصر ج5، ص99) اور حدیث میں ہے کہ رب عزوجل نے نور اقدس کی نسبت فرمایا کہ اسے اصلاب طیبہ و ارحام طاہرہ میں رکھوں گا۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفی المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ مصر ج1، ص63) امام سیوطی و امام ابن حجر و علامہ زرقانی وغیرہم اکابر نے اس کی تقریر و تائید و تاکید و تشیید فرمائی۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفات امہ صلی اللہ علیہ وسلم دار المعرفہ بیروت 1/147) اور بیہقی و ابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا ہوں آدم سے لے کر اپنے والدین تک، تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔

(دلائل النبوۃ باب ذکر اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتب العلمیہ بیروت 1/174 تا 179) (تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر معرفۃ نسبہ دار احیاء التراث العربی بیروت 3/29,38) (تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر معرفۃ نسبہ دار احیاء التراث العربی بیروت 3/30)

دلیل ﴿3﴾ اور رب عزوجل کبھی کسی کافر کو طیب و طاہر نہ فرمائے گا قرآن میں ہے: انما المشركون نجس ۔ یعنی کافر ناپاک و نجس ہیں۔ (القرآن الکریم 2/221) ☆ اور حدیث میں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لم يزل الله عزوجل ينقلنی من اصلاب الطيبة الی الارحام الطاهرة مصفی مهذبا لاتنشعب شعبتان الا كنت فی خيرهما ۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ جب دو شاخیں پیدا ہوئیں، میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔ اس کو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ (الحاوی للفتاوی بحوالہ ابی نعیم مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی دار الکتب العلمیۃ بیروت 2/211) (دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثانی عالم الکتب بیروت الجزء الاول ص11,12) ☆ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الی ارحام الطاهرات ۔ میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم عن ابن عباس المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت 1/174) (الحاوی للفتاوی مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی دار الکتب العلمیۃ بیروت 2/210) ☆ دوسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لم يزل الله ينقلنی من

الاصلاب الكريمة والارحام الطاهرة حتى اخرجني من بين ابوى ۔ ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں نقل فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل وامااشرف نسبہ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ 1/163 (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض بحوالہ ابن ابی عمرو العدنی مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند 1/435)

توضروری ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آبائے کرام طاہرین اور امہات کرام طاہرات سب کے سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ بنص قرآن عظیم کسی کافروکافرہ کے لیے کرم وطہارت سے حصہ نہیں کیونکہ قران نے کافر کونجس ناپاک قرار دیا ہے اور یہ انبیاء کی شان نہیں کہ وہ ناپاک ونجس سے ہوکر آئیں حضورﷺ ناپاکی ونجاست سے پاک ہیں اوران کے والدین کریمین کے وہ نطفے بھی پاک ہیں جن سے یہ حضرات پیدا ہوئے۔ (شرح الشفاء للقاضی عیاض، ج1، ص168، شرح العلامۃ الزرقانی، ج1، ص194)

دلیل ﴿4﴾ امام ابونعیم دلائل النبوۃ میں بطریق محمد بن شہاب الزہری ام سماعہ اسماء بنت ابی رھم، وہ اپنی والدہ سے راوی ہیں، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کے انتقال کے وقت حاضر تھی محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کمسن بچے کوئی پانچ برس کی عمر شریف، ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت خاتون نے اپنے ابن کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف نظر کی، پھر کہا: بارك فيك الله من غلام ، يا ابن الذى من حومة الحمام ، نجا بعون الملك المنعام ، فودى غداة الضرب بالسهام ، بمائة من ابل سوام ، ان صحّ ما ابصرت فى المنام ، فانت مبعوث الى الانام ، من عند ذى الجلال والاكرام ، تبعث فى الحل وفى الحرام ، تبعث فى التحقيق والاسلام ، دين ابيك البرّ ابراهام ، فالله انها ك عن الاصنام ، ان لا تواليها مع الاقوام يعنى "اے ستھرے لڑکے! اللہ تجھ میں برکت رکھے۔ اے بیٹے ان کے جنہوں نے مرگ کے گھیرے سے نجات پائی بڑے انعام والے بادشاہ اللہ عزوجل کی مدد سے، جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کئے گئے، اگر وہ ٹھیک اترا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو تُو سارے جہان کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نکوکار باپ ابراہیم کا دین ہے، میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا۔" (المواہب اللدنیۃ بحوالہ دلائل النبوۃ المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت 1/169)

حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اس پاک وصیت میں جو فراق دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو کی بحمد اللہ توحید وردشرک تو آفتاب کی طرح روشن ہے اور اس کے ساتھ دین اسلام ملت پاک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بھی پورا اقرار، اور ایمان کامل کسے کہتے ہیں، پھر اس سے بالاتر حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اعتراف موجود اور وہ بھی بیان بعث عامہ کے ساتھ، وللہ الحمد۔ اس کے بعد فرمایا: كل حى ميت و كل جديد بال و كل كبير يفنى و انا ميتة و ذكرى باق وقد تركت خيرا وولدت طهراً ۔ ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا، اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے۔ میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا، میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا، صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ (المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر وفاۃ آمنۃ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت 1/169،170) یہ کہہ کر انتقال فرمایا: اور ان کی یہ فراست ایمان اور پیشن گوئی نورانی قابل غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب وعجم کی ہزاروں شہزادیاں، بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا، مگر اس طیبہ خاتون کے ذکر خیر سے مشارق مغارب ارض میں محافل مجالس انس وقدس میں زمین وآسمان گونج رہے ہیں اور ابدالآباد تک گونجیں گے وللہ الحمد۔

دلیل ﴿5﴾ افضل القری لقراء ام القری میں فرماتے ہیں: ان اباء النبى صلى الله تعالى عليه وسلم غير الانبياء وامهاته الى ادم وحواء ليس فيهم كافر لان الكافر لا يقال فى حقه انه مختار ولا كريم ، ولا طاهر ، بل نجس ، وقد صرحت الاحاديث بانهم مختارون وان الاباء كرام ، والامهات طاهرات ، وايضا قال تعالى وتقلبك فى السجدين على احد التفاسير فيه ان المراد تنقل نوره من ساجد الى ساجد وحينئذ فهذه صريح فى ان ابوى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم أمنة وعبد الله من اهل الجنة لانهما اقرب المختارين له صلى الله تعالى عليه وسلم وهذا هوالحق ، بل فى حديث صححه غير واحد من الحفاظ ولم يلتفتوا لمن طعن فيه- ان الله تعالى احياهما فامنابه الخ مختصرا وفيه طول ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں جتنے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں، ان کے سوا حضور کے جس قدر اباء وامہات آدم وحواء علیہما الصلوۃ والسلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جاسکتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء وامہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی گئی کہ وہ سب پسندیدہ بارگاہ الہی ہیں، آباء سب کرام، مائیں سب پاکیزہ ہیں اور آیہ کریمہ تقلبك فى السجدين (اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو) کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ وحضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما اہل جنت ہیں کہ وہ تو ان بندوں میں جنھیں اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے چنا تھا سب سے قریب تر ہیں، یہی قول حق ہے بلکہ ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا، تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے۔ (افضل القری لقراء ام القری شعر المجمع الثقافی ابوظہبی 1/151)

دلیل ﴿6﴾ امام سیوطی سُبُل النجاۃ میں فرماتے ہیں: مال الى ان الله تعالى احياهما حتى أمنا به طائفة من الائمة وحفاظ الحديث ۔ ائمہ اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت اس طرف مائل ہے کہ بیشک اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ابوین کریمین کو زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ بحوالہ سبل النجاۃ المقصد الاول دار المعرفتہ بیروت 1/168)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ دونوں مؤمن ہیں یا نہیں؟ مگر اہل سنت کے علماء محققین مثلاً امام جلال الدین سیوطی وعلامہ ابن حجر ہیتمی وامام قرطبی وحافظ الشام ابن ناصر الدین وحافظ شمس الدین دمشقی وقاضی ابوبکر ابن العربی مالکی وشیخ عبدالحق محدث دہلوی وصاحب الاکلیل مولانا عبدالحق مہاجر مدنی وغیرہ رحمہم اللہ تعالی کا یہی عقیدہ اور قول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ دونوں یقیناً بلاشبہ مؤمن ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مؤمن نہ ماننا یہ علماء متقدمین کا مسلک ہے لیکن علماء متأخرین نے تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب "مؤمن" ہیں اور ان حضرات کے ایمان کو ثابت کرنے میں علماء متأخرین کے تین طریقے ہیں:

☆☆☆ **اول** یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور آباء واجداد سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے، لہٰذا "مؤمن" ہوئے۔

☆☆☆ **دوم** یہ کہ یہ تمام حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت سے پہلے ہی ایسے زمانے میں وفات پا گئے جو زمانہ "فترت" کہلاتا ہے اور ان لوگوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت ایمان پہنچی ہی نہیں لہٰذا ہرگز ہرگز ان حضرات کو کافر نہیں کہا جاسکتا بلکہ ان لوگوں کو مؤمن ہی کہا جائے گا۔

☆☆☆ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو زندہ فرما کر ان کی قبروں سے اٹھایا اور ان لوگوں نے کلمہ پڑھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو زندہ کرنے کی حدیث اگر چہ بذات خود ضعیف ہے مگر اس کی سندیں اس قدر کثیر ہیں کہ یہ حدیث " صحیح " اور " حسن " کے درجے کو پہنچ گئی ہے۔ اور یہ وہ علم ہے جو علماء متقدمین پر پوشیدہ رہ گیا جس کو حق تعالیٰ نے علماء متأخرین پر منکشف فرمایا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرما لیتا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں چند رسائل تصنیف کیے ہیں اور اس مسئلہ کو دلیلوں سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج اول ص 718 / اشعۃ اللمعات، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، الفصل الاول، ج 1 ص 765)

اسی طرح خاتمۃ المفسرین حضرت شیخ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام قرطبی نے اپنی کتاب " تذکرہ " میں تحریر فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب " حجۃ الوداع " میں ہم لوگوں کو ساتھ لے کر چلے اور " حجون " کی گھاٹی پر گزرے تو رنج و غم میں ڈوبے ہوئے رونے لگے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم اپنی اونٹنی سے اتر پڑے اور کچھ دیر کے بعد میرے پاس واپس تشریف لائے تو خوش خوش مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، کیا بات ہے؟ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم رنج و غم میں ڈوبے ہوئے اونٹنی سے اترے اور واپس لوٹے تو شاداں و فرحاں مسکراتے ہوئے تشریف فرما ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کی زیارت کے لئے گیا تھا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کو زندہ فرما دے تو خداوند تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا اور وہ ایمان لائیں۔ (روح البیان، سورۃ البقرۃ تحت الآیۃ 119:، ج 1 ص 217) اور " الاشباہ والنظائر " میں ہے کہ ہر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مر گیا ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے بجز رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے، کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ فرمایا اور یہ دونوں ایمان لائے۔ (الاشباہ والنظائر، کتاب الحظر والاباحۃ، ص 248) یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ماں باپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں کے پاس روئے اور ایک خشک درخت زمین میں بو دیا، اور فرمایا کہ اگر یہ درخت ہرا ہو گیا تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ان دونوں کا ایمان لانا ممکن ہے۔ چنانچہ وہ درخت ہرا ہو گیا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے وہ دونوں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اسلام لائے اور پھر اپنی اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔ اور ان دونوں کا زندہ ہونا، اور ایمان لانا، نہ عقلاً محال ہے نہ شرعاً کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کے مقتول نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتایا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے بھی چند مردے زندہ ہوئے۔ (روح البیان، سورۃ البقرۃ تحت الآیۃ 119:، ج 1 ص 217) جب یہ سب باتیں ثابت ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زندہ ہو کر ایمان لانے میں بھلا کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ " میں نے اپنی والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ " یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زندہ ہو کر ایمان لانے سے بہت پہلے کی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ " حجۃ الوداع " کے موقع پر ہوا ہے (جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے چند ہی ماہ پہلے کا واقعہ ہے) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مراتب و درجات ہمیشہ بڑھتے ہی رہے تو ہو سکتا ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خداوند تعالیٰ نے یہ شرف نہیں عطا فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسلمان ہوں مگر بعد میں اس فضل و شرف سے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سرفراز فرما دیا کہ آپ کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو صاحب ایمان بنا دیا (روح البیان، سورۃ البقرۃ تحت الآیۃ 119:، ج 1 ص 217)

امام ابن حجر ہیثمی پانی کتاب الزواجر ج ا میں لکھتے ہیں: اللہ عزوجل نے ہمارے مکی مدنی آقا، دو عالم کے داتا صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے انتقال کے بعد دوبارہ زندگی عطا فرما کر مکرم فرمایا تا کہ وہ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم پر ایمان لے آئیں، جیسا کہ ایک حدیث پاک میں آیا ہے :ثم أحیاهما الله تعالی حتی آمنا به صلی الله علیه وسلم معجزة له وخصوصیة لهما فی نفع إیمانهما به بعد الموت علی أن الصحیح عند الشافعیة من الأقوال أن أهل الفترة ناجون۔ (کشف الخفاء 1/60) اسے امام قرطبی اور ابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا اللہ عزوجل نے اپنے نبی اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے اکرام کی خاطر موت کے بعد خلافِ قاعدہ والدینِ مصطفیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا، اور یہ ایک مسلمہ اُصول ہے کہ خصوصیات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ بعض محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے والدینِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم وعلیہما معہ کے زندہ کئے جانے والی حدیث میں اختلاف کیا اور اس پر طویل بحث کی ہے، میں نے اس کا رد اپنے فتاویٰ میں کر دیا ہے۔

سیدنا امام قرطبی اور ابن دحیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما وغیرہ فرماتے ہیں ": اللہ کے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے فضائل اور خصوصیات میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے وصال تک مسلسل اضافہ ہوتا رہا، یہ معاملہ (یعنی والدینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زندہ ہو جانا) بھی انہیں فضائل و اعزازات میں سے ایک ہے جو اللہ عزوجل نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کو عطا فرمائے اور ان کا زندہ ہو جانا اور ایمان لے آنا عقلی و نقلی طور پر ممکن ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے مقتول کو قاتل کی نشاندہی کے لئے زندہ فرما دیا تھا اور حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور اللہ عزوجل نے اپنے حبیبِ لبیب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے دستِ مبارک پر مُردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا، ایسی صورت میں والدینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے انتقال کے بعد نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی فضیلت اور اعزاز میں اضافہ کے لئے انہیں دوبارہ زندہ کرنے میں کونسی چیز رکاوٹ ہے؟ بے شک یہ بات بھی درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ اللہ عزوجل نے سورج کو غروب ہو جانے کے بعد آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کے لئے لوٹا دیا تھا تا کہ حضرت سیدنا علی كَرَّمَ اللهُ تَعَالٰى وَجْهَهُ الْكَرِيْم نمازِ عصر ادا کر سکیں، تو جس طرح اللہ عزوجل نے سورج کو لوٹا دینے اور گئے وقت کے لوٹ آنے سے رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی عزت افزائی فرمائی اسی طرح زندگی لوٹا کر اور ایمان لانے کا وقت گزر جانے کے بعد اس وقت کو لوٹا کر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کی عزت افزائی فرمائی۔ "(زواجر ج 1 ص 85,86)

دلیل ﴿7﴾ صاحب الاکلیل حضرت علامہ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی قدس سرہ الغنی نے تحریر فرمایا کہ علامہ ابن حجر ہیتمی نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ " حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا، یہاں تک کہ وہ دونوں ایمان لائے اور پھر وفات پا گئے۔ " یہ حدیث صحیح ہے اور جن محدثین نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے ان میں سے امام قرطبی اور شام کے حافظ الحدیث ابن ناصر الدین بھی ہیں اور اس میں طعن کرنا بے محل اور بے جا ہے، کیونکہ کرامات اور خصوصیات کی شان ہی یہ ہے کہ وہ قواعد اور عادات کے خلاف ہوا کرتی ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا موت کے بعد اٹھ کر ایمان لانا، یہ ایمان ان کے لئے نافع ہے حالانکہ دوسروں کے لئے یہ ایمان مفید نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نسبت رسول کی وجہ سے جو کمال حاصل ہے وہ دوسروں کے لئے نہیں ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی حدیث لیت شعری ما فعل ابوای (کاش ! مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا) (اکلیل علیٰ مدارک التنزیل ج 2 ص 10)

دلیل ﴿8﴾ قاضی امام ابوبکر ابن العربی مالکی سے یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء واجداد جہنم میں ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ملعون ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ (پ22، الاحزاب:57) یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں ملعون کردے گا۔ حافظ شمس الدین دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ کو اپنے نعتیہ اشعار میں اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

حَبَا اللّٰہُ النَّبِیَّ مَزِیۡدَ فَضۡلٍ — عَلٰی فَضۡلٍ وَّ کَانَ بِہٖ رَءُوۡفًا

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فضل بالائے فضل سے بھی بڑھ کر فضیلت عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ ان پر بہت مہربان ہے

فَاَحۡیَا اُمَّہٗ وَ کَذَا اَبَاہُ — لِاِیۡمَانٍ بِہٖ فَضۡلاً لَّطِیۡفًا

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ کو حضور پر ایمان لانے کے لئے اپنے فضل لطیف سے زندہ فرمادیا

فَسَلِّمۡ فَالۡقَدِیۡمُ بِہٖ قَدِیۡرٌ — وَاِنۡ کَانَ الۡحَدِیۡثُ بِہٖ ضَعِیۡفًا

تو تم اس بات کو مان لو کیونکہ خداوند قدیم اس بات پر قادر ہے اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہو۔ (انتہی ملتقطاً تفسیر روح البیان ج1 ص217 تا218)

بہر کیف مندرجہ بالا اقتباسات جو معتبر کتابوں سے لئے گئے ہیں ان کو پڑھ لینے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ایمانی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تمام آباء واجداد بلکہ تمام رشتہ داروں کے ساتھ ادب واحترام کا التزام رکھا جائے۔ بجز ان رشتہ داروں کے جن کا کافر اور جہنمی ہونا قرآن وحدیث سے یقینی طور پر ثابت ہے جیسے "ابولہب" اور اس کی بیوی "حمالۃ الحطب" باقی تمام قرابت والوں کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا لازم ہے کیونکہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت قرابت حاصل ہے ان کی بے ادبی و گستاخی یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذا رسانی کا باعث ہوگا اور آپ قرآن کا فرمان پڑھ چکے کہ جو لوگ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں، وہ دنیا وآخرت میں ملعون ہیں۔ اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک محققانہ رسالہ بھی ہے جس کا نام "شمول الاسلام لاباء الکرام" ہے۔ جس میں آپ نے نہایت ہی مفصل و مدلل طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء واجداد موحد و مسلم ہیں۔

دلیل ﴿9﴾ سید احمد مصری حواشی در میں ناقل کہ ایک عالم رات بھر مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں متفکر رہے کہ کیونکر تطبیق اقوال ہو۔ اسی فکر میں چراغ پر جھک گئے کہ بدن جل گیا۔ صبح ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ راہ میں ایک ترہ فروش ملے کہ اپنی دکان کے آگے باٹ ترازو لئے بیٹھے ہیں، انہوں نے اٹھ کر ان عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور یہ اشعار پڑھے:

أمنت ان ابا النبی وامّه — احیاهماالحی القدیر الباری

حتی لقد شهداله برسالة — صدق فتلك كرامة المختار

وبه الحدیث ومن یقول بضعفه — فهو الضعیف عن الحقیقة عاری

"یعنی میں ایمان لایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ کو اس زندہ ابدی قادر مطلق خالق عالم جل جلالہ نے زندہ کیا یہاں تک کہ ان دونوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیغمبری کی گواہی دی، اے شخص اس کی تصدیق کر کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز کے واسطے ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہوئی جو اسے ضعیف بتائے وہ آپ ہی ضعیف اور علم حقیقت سے خالی ہے۔"

یہ اشعار سنا کر ان عالم سے فرمایا: اے شیخ! انہیں لے اور نہ رات کو جاگ نہ اپنی جان کو فکر میں ڈال کہ تجھے چراغ جلادے، ہاں جہاں جارہا ہے وہاں نہ جا کہ لقمہ حرام کھانے میں نہ آئے۔ ان کے اس فرمانے سے وہ عالم بیخود ہوکر رہ گئے، پھر انہیں تلاش کیا پتا نہ پایا اور دکانداروں سے پوچھا، کسی نے نہ پہچانا، سب بازار والے بولے: یہاں تو کوئی شخص بیٹھتا ہی نہیں۔ وہ عالم اس ربانی ہادی، غیب کی ہدایت سن کر مکان کو واپس آئے، لشکری کے یہاں تشریف نہ لے گئے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر المکتبۃ العربیہ کوئٹہ 2/81)

اے شخص! یہ عالم صاحب بہ برکت علم، نظر عنایت سے ملحوظ تھے کہ غیب سے کسی ولی کو بھیج کر ہدایت فرمادی۔ خوف کر کہ تو اس ورطہ میں پڑ کر معاذ اللہ کہیں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باعث ایذاء نہ ہو جس کا نتیجہ معاذ اللہ بڑی آگ دیکھنا ہو۔ اللہ عزوجل ظاہر و باطن میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت سچا ادب پیدا فرمائے اور اسباب مقت (ناراضگی) وحجاب و بیزاری وعتاب سے بچائے آمین آمین آمین! کیا تمہارا وجدانِ ایمان گوارا کرتا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار نور بار کے ادنیٰ ادنیٰ غلاموں کے سگان بارگاہ جنّات النعیم میں سُرر مرفوعة (بلند تختوں) پر تکیے لگائے چین کریں اور جن کی نعلین پاک کے صدقے میں جنت بنی ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب وعذاب کی مصیبتیں بھریں۔ الامان والحفیظ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

متخصص فی الفقه

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالیٰ

10 جمادی الاول 1433ھ بمطابق 3 اپریل 2012ء

دارالافتاء انواریہ لیاقت آباد نمبر ۲ کراچی

انواریہ دار الافتاء

دارالافتاءانواریہ فردوس شاپنگ سینٹر بالائی منزل لیاقت آباد نمبر ٦ کراچی

الاستفتاء: # 7

کیافرماتے ہیں علماءکرام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری ایک ماں،ہم دس بھائی اور تین بہنیں ہیں اور ہمارے والد کی ایک ایکڑ زمین اور چارمرلے کا مکان ہے جسے وہ اپنی حیات میں اپنی اولاد کے مابین تقسیم کرنا چاہتے ہیں برائے کرم شریعت کے مطابق بیان فرمائیے کہ ہرایک کا کتنا حصہ ہوگا؟اگر اسی ایک ایکڑ زمین اور 4مرلے کے مکان کواپنی وفات کے بعد تقسیم کرے تو کس طرح تقسیم ہوگی؟ سائل:محمد آصف عطاری 12-4-2 پیرشریف

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين

رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

جب کوئی زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہے تو افضل ترین طریقۂ تقسیم یہ ہے کہ سب کو برابر برابر دے دیا جائے تاکہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔چارمرلہ مکان کے علاوہ آپ کی کل زمین ایک ایکڑ یعنی 160 مرلے ہے جوکہ چار ہزار آٹھ سو(4800)مربع گز جگہ بنتی ہے۔اس تقسیم کی دوصورتیں ہیں:

☆ایک تو یہ کہ مکان کو بھی زمین میں شامل کرلیا جائے ☆دوسری صورت یہ ہے کہ مکان کوعلیحدہ سے تقسیم کیا جائے۔

اگر مکان کوایک ایکڑ زمین میں شامل کرکے تقسیم کیا جائے تو یہ کل زمین 164 مرلے ہوجائے گی اور اس طرح ہر بیٹے اور ہر بیٹی اور بیوی کے حصے میں 351.428 مربع گز یعنی تقریباًپونے بارہ مرلہ جگہ آئے گی۔

دوسری صورت میں ایک ایکڑ زمین میں سے بیوی اور ہر بیٹی اور ہر بیٹے کے حصے میں 342.857 مربع گز یعنی تقریباً ساڑے گیارہ مرلہ جگہ آئے گی جبکہ چارمرلہ مکان کی قیمت لگا کر وہ رقم 14 افراد میں تقسیم کردی جائے۔یہ برابر برابرافضل ترین صوتیں ہیں۔

اگر جائیداد کا مالک انتقال کرجاتا ہے تو اسی جائیداد کو شریعت میں اس طرح تقسیم کیجئے:

الورثة	نصيب كل وارث	عدد الورثة	مقدار التركة لكل وارث
الميراث حسب مذهب جماهير أهل العلم			
أصل المسألة هو: 8 وبعد التصحيح هو: 184			
الزوجة	23/184	1	615.0
الابن	14/184	10	374.347
البنت	7/184	3	187.173
			4920.00

	النسبة المئوية
الزوجة لها :	12.50 %
الأبناء لهم :	76.09 %
البنات لهن :	11.41 %
المجموع :	100%

مرنے کے بعد زمین کی مکان کے ساتھ تقسیم کا نتیجہ:

بیوی کا حصہ...........تقریباً بیس مرلے سے معمولی زیادہ

فی بیٹے کا حصہ......تقریباً ساڑے بارہ مرلے

فی بیٹی کا حصہ......تقریباً سوا چھ مرلے

مرنے کے بعد مکان کے علاوہ کی تقسیم کا نتیجہ:

بیوی کا حصہ...........تقریباً بیس مرلے

فی بیٹے کا حصہ......تقریباً سوا بارہ مرلے

فی بیٹی کا حصہ......تقریباً چھ مرلے

کتبہ

متخصص فی الفقه

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالی

12 جمادی الاول 1433ھ بمطابق 6 اپریل 2012ء

دارالافتاءانواریہ فردوس شاپنگ سینٹر بالائی منزل لیاقت آباد نمبر 6 کراچی

دارالافتاء انواریہ

فردوس شاپنگ سینٹر بالائی منزل لیاقت آباد نمبر 6 کراچی

الاستفتاء: # 8

واجب الاحترام والاکرام جناب حضرت علامہ ومولانا صاحب زید مجدکم ،صاحبِ عزت وشرف جناب حضرت مفتی صاحب زید شرفکم السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج گرامی بخیر!!!

جناب گرامی! ہم اور ہمارے آباؤ اجداد یہ سنتے، پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت سیدنا مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجھہ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ بیت اللہ شریف کے اندر ہوئی ہے۔ ﴿کسے را میسر شد ایں سعادت بکعبہ ولادت بمسجد شہادت﴾ یہ آپکی ایک نمایاں فضیلت وعظمت ہے جو کہ مستند علمائے دین بیان کرتے ہیں اور مستند کتب دین میں بھی تحریر ہے۔ مگر کچھ عرصہ ہوا کہ چند مفتی، مولانا، واعظ حضرات یہ بیان کررہے ہیں اور لکھ رہے ہیں کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت کعبہ میں نہیں ہوئی۔ یہ شیعوں کی گھڑی ہوئی روایت ہے جسے غیر مستند واعظین نے سنی عوام میں بیان کرکے عام کردیا ہے، اور اگر ہے بھی تو کوئی خاص فضیلت ومرتبہ والی بات نہیں۔ اور اس ضمن میں بہت نازیبا کلمات لکھے ہیں۔ ان سنی نما واعظوں اور مصنفین کی وعظ اور تحریر سے علمائے کرام وعوام اہل بیت اطہار کے محبین سخت تذبذب وہیجان کا شکار ہیں، کہ حق بات کون سی ہے؟ فلہٰذا...... جناب گرامی آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے قیمتی علمی لمحات نکال کر بابِ مدینۃ العلم سیدنا ومولانا شاہ مشکل کشا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی عزت و ناموس کے دفاع میں اور علماو عوام اہلسنت وجماعت کے عقیدے وعقیدت کی پختگی وتازگی کے لئے اپنی قیمتی آراء سے جلد از جلد نوازیں تاکہ اپکا فتویٰ تاثرات شائع ہونے والی عالمی عظیم شخصیات کے تاثرات کی کتاب میں شائع ہوسکیں......الخ۔ اپکا علمی، تحقیقی فتویٰ/ تاثرات جہاں بارگاہ مرتضوی میں خراجِ عقیدت ومحبت ہوگا وہاں علمائے کرام اور عوام اہلسنت و الجماعت کے لئے راہنما، عقیدت ومحبت مولا مشکل کشا میں مظبوطی اور حق نما ہوگا۔ جزاکم اللہ خیراً...... بینوا وتوجروا۔

سائل: بارگاہِ مرتضوی کا ادنیٰ غلام سید محمد عبدالقادر شاہ ترمذی محمدی سیفی، اسکین شدہ دستخط:

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

الجواب:

حمد وصلوۃ کے بعد وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، استفتاء کی مذکورہ عبارت پڑھ کر مختصر مگر جامع چند سطور لکھنے کی سعادت اس نیت سے کررہا ہوں کہ اللہ کی رضا ورحمت، نبی کریم ﷺ کا کرم، مولا علی کی نصرت اور مرشد پاک کی عنایت حاصل ہو جس کے سبب عوام الناس میں سے جن کے ذہنوں میں کوئی خلفشار پیدا ہوچکا ہے یا کوئی ذہنی الجھاؤ ہے تو وہ دور ہوجائے۔ مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ موجودہ صورت حال کے پیش نظر مولود کعبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی قرار پائیں گے اور اسی بات کو برقرار رکھا جائے تاکہ اہلسنت میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔

فقیر نے مسلسل تین دن کی محنت شاقہ کرکے کثیر کتابوں میں سے ان مقامات کو دیکھا جہاں مولا علی مشکلکشا رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت کا ذکر ہے۔ تاریخ کے گہرے سمندر میں غوطہ ظن ہوکر فقیر اپنی کم علمی کی رکاوٹ کے باوجود انتہائی گہرائی سے دو حسین موتی چن کر لایا ہے اور وہ یہ کہ مولود کعبہ مبارکہ کے سلسلے میں فاطمہ بنت اسد کے لخت جگر ''مولا علی مشکل کشا'' اور خدیجہ الکبری کے بھتیجے ''حکیم ابن حزام'' رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایات کے علاوہ کوئی تیسرے کا ذکر نہیں۔ یہ تو تاریخ کے آئینہ میں نظر آرہا ہے کہ یہ دو مبارک ہستیاں مولود کعبہ ہیں لیکن ان میں بھی بعض علماء کرام کو اختلاف ہوگیا ہے مگر میرے دل میں جو دردِ اہلسنّت ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا ضرور چاہوں گا کہ یہ کوئی حلال وحرام، کفر وایمان کا مسئلہ نہیں کہ اتنی سختی کی جائے کہ اہلسنت میں اختلاف وبگاڑ پیدا ہوجائے یہ ہی نہیں بلکہ اس کا انجام تو یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ایک کی محبت میں دوسرے کی والدہ تک کی شان میں بے ہودہ اور نازیبا کلمات استعمال کئے گئے جیسا کہ استفتاء میں بھی اشارۃً ذکر کیا گیا۔ مثلاً لکھنے والوں نے لکھا کہ فاطمہ بنت اسد ایسی نازک حالت میں گھر سے نکلی ہی کیوں؟ با اخلاق عورتیں تو احتیاطاً پانچ چھ دن پہلے گھر سے نکلنا بند کردیتی ہیں اور اگر ولادت میں وقفہ اور دیر ہی تھی تو اس وقفے میں گھر کیوں نہ گئی؟ وہیں اکیلی لوگوں کے سامنے کیوں دردِ زہ سے کراہتی رہیں؟ محترمہ کو کیسے پتہ چلا کہ کعبہ کی دیوار کہاں سے پھٹی ہوئی ہے اور کتنی پھٹی؟ بوقت ولادت کراہنے اور شور مچانے کے علاوہ رحم سے کافی گندی اشیاء بھی نکلتی ہیں اور اس سے فرش کعبہ خراب ہوا ہوگا وہ کس نے صاف کیا؟ ولادت کے فوراً بعد کئی گھنٹے زچہ عورت چلنے کے قابل نہیں رہتی تو کون ان محترمہ کو اٹھا کر گھر لایا؟ اگر کعبہ میں ولادت اشرفیت یا فضیلت ہوتی تو یہ کفار کو نہ ملتی بلکہ انبیاء کرام کی ولادت کعبہ میں ہوتی۔ معاذ اللہ

اس قسم کی تحریر سے اہلسنت میں نفرت نہیں تو کیا محبت پھیلے گی! اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حضرت فاطمہ بنت اسد کا زمان فترت میں ارتکاب شرک واجتناب توحید ثابت کرو۔ اگر نہ ثابت کرسکو تو کیا مولی المسلمین ولی رب العلمین حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر ایسے شنیع لفظ کا اطلاق بے دلیل کردیا جائے گا!!! (رضویہ ج28 ص249 تا252) اسی طرح فتاوی رضویہ میں کئی مقامات پر فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالی عنہا کو تو مومن کہا اور ترضی کے ساتھ نام لیا گیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی والدہ کے لئے فائٹ کی گئی ملاحظہ کیجئے: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم پوچھتے ہیں مخالف کے پاس کیا حجت ہے کہ زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالی عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں حالانکہ بہت عورتوں کی نسبت یہی مظنون کما قدمنا عن الزرقانی عن السیوطی (رضویہ ج 28ص 249تا252) اس حدیث جلیل کو دیکھئے کہ ابوطالب کے مرنے پر خود امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ حضور کا وہ گمراہ کا فر چچا مرگیا۔ حضور اس پر انکار نہیں فرماتے نہ خود جنازے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ ابوطالب کی بی بی امیر المومنین کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالی عنہا نے جب انتقال کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالی

علیہ وسلم نے اپنی چادر و قمیص مبارک میں انہیں کفن دیا۔ اپنے دستِ مبارک سے لحد کھودی، اپنے دستِ مبارک سے مٹی نکالی، پھران کے دفن سے پہلے خود ان کی قبر مبارک میں لیٹے اور دعا کی: اللّٰہ الذی یحیی ویمیت وھو حیّ لایموت اغفرلامّی فاطمة بنت اسد و وسّع علیھا مدخلھا بحق نبیك والانبیاء الذین من قبل، فانّك ارحم الراحمین یعنی اللہ جلا تا ہے اور مارتا ہے اور خود زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا، میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اُن کی قبر وسیع کر صدقہ اپنے نبی کا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا، تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ (مجمع الزوائد کتاب المناقب باب مناقب بنت اسد دارالکتاب بیروت 9/257 (کنز العمال حدیث 34428 مؤسسة الرسالہ بیروت 12/147) اس کو پڑھنے کے بعد عقیدت و محبت اور شرعی اصولوں کا تقاضا ہے کہ حق بات کو تسلیم کر کے مان لیا جائے اور اہلسنت میں بگاڑ سے اجتناب کیا جائے کہ اسے نازک جملے ہرگز مولی علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کی شان میں نہ کہے جائیں۔

اب ہم حضرت حکیم بن حزام اور حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات و دلائل ذکر کر کے اپنی تحقیق کے دلائل پیش کرتے ہیں: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَارِثِ يُحَدِّثُ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمِثْلِهِ .قَالَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ وُلِدَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ وَعَاشَ مِائَةً وَعِشْرِينَ سَنَةً .(صحیح مسلم 5/10)

وجاء فی کتاب الثقات حکیم بن حزام ..وکان مولده قبل الفیل بثلاث عشرة سنة دخلت أمه الکعبة فمخضت فیه فولدت حکیم بن حزام فی جوف الکعبة (کتاب الثقات 3/71).واحتج الزیلعی فی نصب الرایة بما قاله مسلم (4/2).وفی أخبار مکة أول من ولد فی الکعبة 3/226)و.(236حکیم بن حزام:واتفقوا علی أن وفاته بالمدینة، کما اتفقوا علی أنه ولد فی جوف الکعبة، رحمه الله ورضی عنه .(التحفة اللطیفة فی تاریخ المدینة الشریفة السخاوی ج 1 ص 203)ا

اقول: اس عبارت سے پتا چل رہا ہے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے مولود کعبہ ہونے میں علمائے محدثین کا اتفاق ہے۔ جبکہ حضرت امام حاکم رحمہ اللہ دو قسم کی روایات ذکر کرتے ہیں: 6041سمعت أبا الفضل الحسن بن یعقوب یقول سمعت أبا أحمد محمد بن عبد الوهاب یقول سمعت علی بن غنام العامری یقول ولد حکیم بن حزام فی جوف الکعبة دخلت أمه الکعبة فمخضت فیها فولدت فی البیت 6044.أخبرنا أبو بکر محمد بن أحمد بن بالویه ثنا إبراهیم بن إسحاق الحربی ثنا مصعب بن عبد الله فذکر ثم نسب حکیم بن حزام وزاد فیه وأمه فاختة بنت زهیر بن أسد بن عبد العزی وکانت ولدت حکیما فی الکعبة وهی حامل فضربها المخاض وهی فی جوف الکعبة قال الحاکم :وهم مصعب فی الحرف الأخیر فقد تواترت الأخبار أن فاطمة بنت أسد ولدت أمیر المؤمنین علی بن أبی طالب کرم الله وجهه فی جوف الکعبة (مستدرك 550-3/549) محدث امام حاکم رحمہ اللہ کی عبارت سے پتا چل رہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مولود کعبہ ہیں اور ان کے مولود کعبہ ہونے کی خبر تو تر سے ہے۔

ہم نے یہ جو امام حاکم رحمہ للہ کی روایت ذکر کی اس کو بعض علماء کرام یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ امام حاکم نے اس لئے بیان کی کہ وہ شیعہ مذہب کے تھے جبکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ لکھا ہے کہ وہ بمائل شیعہ تھے نہ کہ رافضی۔ اگر آپ آج کل کے شیعہ یعنی رافضی ہوتے تو آپ المستدرک کے باب معرفة الصحابہ میں برعایتِ ترتیبِ خلافت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل کو نہ لاتے۔ آپ رافضی شیعہ نہ تھے اسی لئے انہوں نے سنی ترتیب کو ہی قائم رکھا۔ اور آپ کی نماز جنازہ بھی سنی امام قاضی ابوبکر الحیر ی علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔ اور یہ خطیب بغدادی، امام بیہقی، امام الحرمین ابومحمد الجوینی، داتا گنج بخش کے عظیم ساتھی امام ابوالقاسم القشیر ی اور امام حاکم کے استاذ تھے (طبقات الشافعیہ ج2 ص447 سیر اعلام النبلاء ج13 ص106 ۔228) مرنے کے بعد امام حاکم کو حسن بن اشعث نے خواب میں دیکھا کہ گھوڑے پر سوار یہ کہتے جا رہے ہیں نجات ہوگئی ابن اشعث نے پوچھا کس سبب سے؟ فرمایا: حدیث لکھنے کی وجہ سے۔ (طبقات الشافعیہ ج2 ص447 سیر اعلام النبلاء ج13 ص104) یقیناً آپ رافضی شیعہ نہ تھے جبھی تو نجات ہوئی ورنہ رافضی ہوتے تو نجات کہا؟ واللہ اعلم۔ اب ائمہ کرام کی اراء ملاحظہ کیجئے:

أن فاطمة بنت أسد ولدت علیا فی جوف الکعبة لم أجد فی کتب الحدیث شیئا من ذلك .بل الثابت أن حکیم بن حزام هو المولود فی جوف الکعبة .وضعف صاحب تهذیب الأسماء ما یروی أن علیا هو الذی ولد فی جوف الکعبة (تهذیب الأسماء 1/169) تہذیب کی اس عبارت میں فقیر کو چند قسم کے اعتراضات محسوس ہوئے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صاحب تہذیب کو اگر حضرت علی کے مولود کعبہ کی روایت کسی حدیث میں نہیں ملی تو کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ہی نہیں اگر ایسا ہے تو پھر اس پر ضعیف کا اطلاق ہی کیوں کیا؟ موضوع کہنا چاہئے تھا حالانکہ یہ موضوع نہیں ہے۔ محدثین کی اراء ملاحظہ کیجئے:

وقد ضعف السیوطی سند روایة أن علیا هو الذی ولد فی جوف الکعبة وتعقب بذلك خطأ الحاکم صاحب المستدرك وأکد أن حکیم بن حزام هو الذی ولد فی جوف الکعبة (تدریب الراوی 2/359)وضعف صاحب تهذیب الأسماء ما یروی أن علیا هو الذی ولد فی جوف الکعبة (تهذیب الأسماء 1/169)ورواه الذهبی عن ابن منده وأتی بروایة الزبیر عن مصعب بن عثمان أن حکیم ولد فی جوف الکعبة (سیر أعلام النبلاء 3/46 والمناوی فی (فیض القدیر 2/37الوفیات للقسطنی 1/67)وانظر مشاهیر علماء الأمصار 1/12ریح النسرین فیمن عاش من الصحابة 1/49الوقوف علی الموقوف 1/80بل هذا ما رواه فی جمهرة نسب قریش .(1/353)فَائِدَة :حَکِیم هَذَا ولد فِي جَوف الْكَعْبَة وَلَا یعرف أحد ولد فِیهَا غَیره، وَأما مَا رُوِيَ عَن عَلّي رَضِي اللهُ عَنهُ أَنه ولد فِیهَا فضعیف، وَخَالف الْحَاکِم فِي ذَلِكَ فَقَالَ فِي الْمُسْتَدْرك فِي تَرْجَمَة عَلّي أَن الْأَخْبَار تَوَاتَرَتْ بذلك، (الَبدر المنیر فی الشرح الکبیرالمؤلف: ابن الملقن سراج الدین أبو حفص عمر بن علی بن أحمد الشافعی المصری (المتوفی 804:ج6ص 489)وما روی أن علیاً ولد فیها فضعیف عند العلماء (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین المؤلف :محمد علی بن محمد علان بن إبراهیم البکری الصدیقی الشافع ج 4ص 405)الموضع الذی یقال له :مولد علی بن أبی طالب رضی الله عنه وهذا الموضع مشهور عند الناس بقرب مولد النبی (صلی الله علیه وسلم) بأعلی الشعب الذی فیه المولد ولم یذکره الأزرقی، وذکره ابن جبیر .وعلی بابه حجر مکتوب فیه هذا مولد أمیر المؤمنین علی بن أبی طالب، وفیه ربی رسول الله (صلی الله علیه وسلم) ، وفی الحجر مکتوب إن الناصر العباسی أمر بعمله فی سنة ثمان وستمائة .وقیل :ولد علی بن أبی طالب فی جوف الکعبة .وهذا ضعیف عند العلماء (تاریخ مکة المشرفة والمسجد الحرام والمدینة الشریفة

والقبر الشريف المؤلف :أبو البقاء محمد بن أحمد بن محمد ابن الضياء المكي الحنفي ج 1 ص 185) - 6044أخبرنا أبو بكر محمد بن أحمد بن بالويه ثنا إبراهيم بن إسحاق الحربي ثنا مصعب بن عبد الله :فذكر نسب حكيم بن حزام و زاد فيه و أمه فاختة بنت زهير بن أسد بن عبد العزى و كانت ولدت حكيما في الكعبة و هي حامل فضربها المخاض وهي جوف الكعبة فولدت فيها فحملت في نطع و غسل ما كان تحتها من الثياب عند حوض زمزم و لم يولد قبله و لا بعده في الكعبة أحد۔ قال الحاكم :وهم مصعب في الحرف الأخير فقد تواترت الأخبار أن فاطمة بنت أسد ولدت أمير المؤمنين علي بن أبي طالب كرم الله وجهه في جوف الكعبة (المستدرك على الصحيحين :ج 3/ص 550ح 6044) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: وكان مولده في الكعبة (مروج الذهب للمسعودي ج 1ص 313)ورأيت في الفصول المهمة في معرفة الأئمة بمكة المشرفة شرفها الله تعالى لأبي الحسن المالكي أن عليا ولدته أمه بجوف الكعبة شرفها الله تعالى وهي فضيلة خصه الله تعالى بها وذلك فاطمة بنت أسد رضي الله عنها أصابها شدة الطلق فأدخلها أبو طالب إلى الكعبة فطلقت طلقة واحدة ووضعته يوم الجمعة في رجب سنة ثلاثين من عام الفيل بعد أن تزوج النبي صلى الله عليه وسلم خديجة بثلاث سنين وأما عمرو بن حزم فولدته أمه في الكعبة اتفاقا لا قصدا (نزهة المجالس ج 1ص 354)اختلفت الروايات وتعددت في تحديد سنة ولادته فقد ذكر الحسن البصري أن ولادته قبل البعثة بخمس عشرة أو ست عشرة سنة 1))، وذكر ابن إسحاق أن ولادته قبل البعثة بعشر سنين 2))، ورجح ابن حجر قوله 3))، وذكر الباقر محمد بن علي قولين :الأول :كالذي ذكره بن إسحاق، ورجحه ابن حجر، وهو أنه ولد قبل البعثة بعشر سنين 4))، وأما الثاني :فيذكر أنه ولد قبل البعثة بخمس سنين 5))، وقد ملت إلى قول ابن حجر وابن إسحاق فيكون مولده على التحقيق قبل البعثة بعشر سنين .(6)وذكر الفاكهي 7))، أن عليًا أول من ولد من بني هاشم في جوف الكعبة وأما الحاكم فقال :إن الأخبار تواترت أن عليًا ولد في جوف الكعبة .(8)

ان کثیر عبارات سے پتا چلا کہ اس مسئلہ میں علماء کرام کا کثیر اختلاف ہے مگر یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ حضرت حکیم بن حزام اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کعبہ میں پیدا ہوئے۔ مگر یہ کہنا کہ صرف حضرت حکیم بن حزام ہی کعبہ میں پیدا ہوئے اور کوئی پیدا نہیں ہوا ان روایات کی روشنی میں درست نہیں۔ اسلئے کہ ایک طرف صحیح حدیث ہے تو دوسری طرف بقول ائمہ کرام ضعیف حدیث اور صحیح کے ہوتے ہوئے تعارض کی صورت میں ضعیف پر عمل نہیں کیا جائے گا مگر یہاں صحیح اور ضعیف کے درمیان تعرض ہی نہیں ہے بلکہ تاویل موجود ہے کہ دونوں اپنے اپنے زمانے میں پیدا ہو سکتے ہیں اور دونوں کو مولود کعبہ مانا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ سیرت حلبیہ میں ہے: قال بعضهم لا مانع من ولادة كليهما في الكعبة (سیرت حلبیہ ج 1ص 227) یعنی کعبہ میں دونوں کی ولادت ماننے میں کوئی شے مانع نہیں ہے اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مولود کعبہ علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو یوں کہہ کر بیان کیا ہے کہ مشہور روایت میں آیا ہے پھر مولود کعبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا اس کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ تاریخ کی معتبر کتابیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی کعبہ میں پیدا ہوئے تھے۔ (تحفہ اثنا عشریہ اردو ص 165 تا 166) گویا کہ ان کی نظر میں مسلم کی روایت موجود تھی پھر بھی مشکل کشا کی ولادتِ کعبہ کو مشہور کہا اور ان کا جملہ "تاریخ کی معتبر کتابیں یہ بھی بتاتی ہیں" اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مولود کعبہ ہونا اور پھر حکیم بن حزام کا مولود کعبہ ہونا مانا ہے۔ اسی طرح عرب کے مفتیان سے بھی اسی طرح کے سوال اور اس قسم کے فتاویٰ جاری ہوئے، ملاحظہ کیجئے:

السؤال:بسم الله هل صحيح أن سيدنا علياً ولد داخل الكعبة؟

الفتوى:الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه أما بعد :فالمولود الذي ولد بجوف الكعبة هو حكيم بن حزام رضي الله عنه، وهذا ما نقله أكثر المؤرخين، وذكر الإمام الحاكم في المستدرك أن مصعب بن عبد الله وهم حين قال عن حكيم بن حزام إنه لم يولد قبله ولا بعده في الكعبة أحد، ثم قال الحاكم :فقد تواترت الأخبار أن فاطمة بنت أسد ولدت أمير المؤمنين علي بن أبي طالب كرم الله وجهه في جوف الكعبة .انتهى .والله أعلم .

المفتي :مركز الفتوى بإشراف د .عبدالله الفقيه(فتاوى الشبكة الإسلامية معدلة ج 5ص 7509)

اس فتوی سے صاف پتا چل رہا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی متواتر ہے ایک اور فتوی ملاحظہ کیجئے:

السؤال:من الصحابي الذي ولدته أمه وهي تطوف حول الكعبة؟ أريد أن أعرف موقعا يعطيني معلومات عن الصحابة؟

الفتوى:الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه أما بعد :فقد ولد حكيم بن حزام رضي الله عنه داخل الكعبة نص على ذلك مسلم في صحيحه :فقال :ولد حكيم بن حزام في جوف الكعبة وعاش مئة وعشرين سنة .وذكر الحاكم في مستدركه أن علي بن أبي طالب رضي الله عنه ولدته أمه فاطمة بنت أسد في جوف الكعبة .وأما طلبك عنوان موقع يفيدك عن سير الصحابة وأخبارهم فنقول إن أغلب المواقع الإسلامية يمكن الدخول عليها في ذلك وهذا عنوان أحدها

www.altareekh.com:والله أعلم .المفتي :مركز الفتوى بإشراف د .عبدالله الفقيه

(فتاوى الشبكة الإسلامية معدلة ج 10ص 2739)

یہاں تک تو میری تحقیق سے ظاہراً یہ ثابت ہوا کہ دو صحابی رضی اللہ عنہما مولود کعبہ ہیں اور اشارۃً یہ ثابت ہوا کہ مشہور روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ مولود کعبہ ہیں اور اتنے مشہور ہیں کہ کثیر علماء و مقررین و مبلغین اس کو بیان کرتے چلے آئے ہیں اور یہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ کتبِ احادیث و تواریخ و سیر سے۔ اور جو ایسی بات مشہور ہو جائے جو کہ شریعت سے ٹکراتی نہ ہو، جمہور اس پر عمل کرتے ہوں اور اس کا خلاف کرنے میں بگاڑ و فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کو برقرار رکھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے تاریخ میلاد النبی کی تحقیقی بحث کرتے ہوئے سب اقوال جمع کئے اور اپنی تحقیق آٹھ ربیع الاول لکھی مگر فیصلہ مشہور قول بارہ تاریخ کا ہی دیا کیونکہ جمہور کا اس پر عمل ہے اور زیادہ مشہور بھی یہی ہے لہذا مشہور عمل کو قائم رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: اس میں اقوال بہت مختلف ہیں، دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس، سات قول ہیں مگر اشہر و اکثر و ماخوذ و معتبر بارہویں ہے۔ علامہ قسطلانی و فاضل زرقانی فرماتے ہیں: المشهور انه صلى الله تعالى عليه وسلم ولد يوم الاثنين ثاني عشر ربيع الاول وهو قول محمد بن اسحاق امام المغازي وغيره ۔مشہور یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز پیر کو پیدا ہوئے، امام المغازی محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے: هو المشهور عندالجمهور ۔جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے۔ اسی میں ہے: هو الذي عليه العمل یہی

وہ ہے جس پر عمل ہے۔شرح الہمزیہ میں ہے: هوالمشهور وعليه العمل (یہی مشہور ہے اور اسی پر عمل ہے۔ت) اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی۔مزید فرماتے ہیں: وان كان اكثر المحدثين والمؤرخين على ثمان خلون وعليه اجمع اهل الزيجات واختاره ابن حزم والحميدى وروى عن ابن عباس وجبيربن مطعم رضى الله تعالىٰ عنهم وبالاول صدرمغلطائى واعتمده الذهبى فى تهذيب التهذيب تبعا للمزى وحكم المشهور بقيل وصحح الدمياطى عشراخلت اقول: وحاسبنا فوجد ناغرة المحرم الوسطية عام ولادته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الخميس فكانت غرة شهر الولادة الكريمة الوسطية يوم الاحدوالهلالية يوم الاثنين فكان يوم الاثنين الثامن من الشهر، ولذا اجمع عليه اصحاب الزيج ومجرد ملاحظة الغرة الوسطية يظهر استحالة سائر الاقوال ماخلاالطرفين والعلم بالحق عند مقلب الملوين۔ اگرچہ اکثر محدثین ومورخین کا نظریہ ہے کہ ولادت باسعادت آٹھ تاریخ کو ہوئی، اہل زیجات کا اسی پر اجماع ہے۔ابن حزم وحمیدی کا یہی مختار ہے اور ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔مغلطائی نے قول اول سے آغاز فرمایا اور امام ذہبی نے مزی کی پیروی کرتے ہوئے تہذیب التہذیب میں اسی پر اعتماد کیا اور قیل کے ساتھ مشہور کا حکم لگایا اور دمیاطی نے دس تاریخ کو صحیح قرار دیا۔اقول (میں کہتا ہوں) ہم نے حساب لگایا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت اقدس والے سال محرم کا غرہ وسطیہ (آغاز) جمعرات کے روز پایا تو اس طرح ماہ ولادت کریمہ کا غرہ وسطیہ بروز اتوار اور غرہ ہلالیہ بروز پیر ہوا اس طرح پیر کے روز ماہ ولادت مبارکہ کی آٹھ تاریخ بنتی ہے۔یہ وجہ ہے کہ اہل زیجات کا اس پر اجماع ہے۔قول وعمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے فلاوفق العمل ماعليه العمل یعنی بہترین ومناسب ترین عمل وہی ہے جس پر جمہور مسلمانوں کا عمل ہو۔(رضویہ ج26 ص411 تا414)

اور اسی طرح جمہور مسلمانوں کا عمل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مولود کعبہ ماننے کا ہے اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ الکریم کی خانہ کعبہ میں ولادت کے واقعے کو غیر معمولی شہرت ہوئی ہے مستند مورخین، محدثین اور سیرت نگاروں نے اس کرامت کو اپنی تصانیف میں اہمیت دی ہے۔نثر نگاروں نے نثر اور شعراء اسلام نے نظم میں مولائے کائنات کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ان مشاہیر اسلام میں محدثین کرام بھی ہیں، نامور مورخین بھی ہیں اور جلیل القدر اولیاء اللہ بھی، جن میں سے چند ہستیوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں جو مولائے کائنات کے مولود کعبہ ہونے کا ذکر کر چکے ہیں۔ ❁امام المحدثین حضرت ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوریؒ ❁امام المحدثین حضرت ابوالحسن علی بن حسین المسعودیؒ صاحب مروج الذہب۔ ❁عثمان بن عمروالجاحظ مصری المعتزلی۔ ❁امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی صاحب میزان الاعتدال وتلخیص وغیرہ۔ ❁علامہ کمال الدین ابوسالم محمد طلحہ الشافعیؒ۔ ❁حضرت سلیمان بن ابراہیم القندوزی الحنفیؒ صاحب ینابیع المودۃ۔ ❁امام احمد بن حجر مکیؒ صاحب الصواعق المحرقۃ۔ ❁امام نورالدین علی المعروف محدث ابن صباغ مالکی مکیؒ۔ ❁رئیس المورخین سبط ابن جوزی متوفی ۶۵۴ھ۔ ❁محقق احناف استاذ المحدثین ملا علی قاریؒ۔ ❁صوفی اکمل ولی کامل حضرت عبدالرحمٰن قاریؒ۔ ❁عظیم سیرت نگار جلیل القدر مورخ امام نورالدین حلبی شافعی صاحبؒ سیرت حلبیہ۔ ❁امام المحدثین محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ❁عمدۃ الفقہاء مفسر قرآن حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔ ❁صوفی باصفا رئیس المحققین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ ❁معروف سیرت نگار حضرت علامہ حسن بن شبلنجی مصری۔ ❁علامہ حسین بن علی الواعظ الکاشفیؒ۔ ❁زبدۃ الصفیاء حضرت شیخ عبدالرحمٰن سفوری شافعیؒ۔ ❁خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری غریب نوازؒ۔ ❁حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء الٰہیؒ۔ ❁سندالواصلین عارف باللہ مولانا جلال الدین رومیؒ۔ ❁عظیم محقق علامہ نواب صدیق حسن بھوپالی صاحب الشمامۃ العنبریہ۔ ❁مفسر قرآن استاذ المعلماء علامہ سید ابوالحسنات قادریؒ صاحب تفسیر الحسنات۔ ❁شارح بخاری سرمایہ اہلسنت حضرت غلام رسولؒ صاحب تفہیم البخاری وشیخ الحدیث جامعہ رضویہ فیصل آباد۔ ❁حکیم الامت مفسر قرآن علامہ مفتی احمد یار خان نعیمیؒ ❁فخر العلماء فقیہ ملت علامہ سید محمود رضویؒ صاحب فیوض الباری شرح بخاری۔ ❁مناظر اسلام محسن اہلسنت علامہ ابوالحامد ضیاء اللہ القادری۔ ❁محقق اہلسنت حضرت علامہ محبّ اللہ نوری بصیر پوری مدظلہ العالی۔ ❁فقیہ ملت، عمدۃ المحققین علامہ مفتی غلام رسول جماعتی نقشبندی مدظلہ العالی۔ ❁دانائے رموز خفی وجلی حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ۔ یہ ہے جمہور مسلمانوں کا عمل کہ یہ چند علماء ہیں نہ جانے کل کتنے ہوں گے اور یہ سب مولود کعبہ حضرت علی کی حدیث کو لئے ہوئے عمل پیرا ہیں اور علامہ سیوطی فرماتے ہیں: يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح جب لوگ کسی حدیث کو قبول کر لیں تو اس کی صحت کا حکم لگا دیا جائے گا، اگرچہ اس کی کوئی صحیح سند نہ ہو۔(تدریب الراوی ج۱ ص۶۶) جبکہ مولود کعبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت کی تو سند بھی موجود ہے۔اب تو یوں کہئے کہ یہ ہے ان مسائل میں کلام مجمل، اور تفصیل کے لئے دوسرا محل۔

بہرحال اس مسئلے کو ایسا نہ بنایا جائے کہ فتنہ برپا ہو بلکہ وہی تاویل کر لی جائے جو فقیر نے کی ہے یا پھر جمہور مسلمان جس پر عمل کر رہے ہیں اس کو برقرار رکھا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ اعلم۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہر صحابی واہلبیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ادب کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

کتبہ

متخصص فی الفقہ

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالیٰ

19 جمادی الاول 1433ھ بمطابق 12 اپریل 2012ء

دارالافتاء انواریہ فردوس شاپنگ سینٹر بالائی منزل لیاقت آباد نمبر 6 کراچی

دار الافتاء انواریہ

نزد غوثیہ مسجد لیاقت آباد نمبر 7 کراچی

الاستفتاء: # 9

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی کو دوران لڑائی غصہ کی حالت میں تین بار یہ کہا: ''میں نے آج کے بعد تجھے طلاق دی''۔ اس بات کو چار دن ہو چکے ہیں، بتائیے کہ کیا طلاق ہوگئی یا نہیں...... بینوا و توجروا۔

سائل: محمد فیصل قادری لیاقت آباد نمبر ۷ کراچی

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

الجواب:

مذکورہ مسئلہ میں شریعت کی رو سے تینوں طلاقیں واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی ہیں، کیونکہ قرآن پاک سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹ میں ہے: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۔

طلاق، نکاح، عتاق (یعنی غلام آزاد کرنا، جب تک غلامی کا رواج تھا) کے الفاظ سنجیدگی سے کہے جائیں یا مذاق وغصہ کے طور پر بہر صورت نافذ العمل اور مؤثر ہو جاتے ہیں، بعد میں نادم ہونے یا واپس لینے سے واپس یا غیر مؤثر نہیں ہوتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بندوق یا ریوالور کا ٹریگر سنجیدگی سے دبایا جائے یا محض مذاق کے طور پر اگر اس میں گولی ہے تو چل جائے گی اور جس نشانے پر لگے گی اسے ضرب لگائے گی۔

اس کی دلیل ترمذی کی یہ حدیث ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم ثَلاَثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلاَقُ وَالرَّجْعَةُ .قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ ۔

کتبہ

متخصص فی الفقہ

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالی

24 جمادی الثانی 1433ھ بمطابق 15 مئی 2012ء

دارالافتاء انواریہ نزد غوثیہ مسجد لیاقت آباد نمبر 7 کراچی

انواریہ دار الافتاء

دارالافتاءانواریہ فردوس شاپنگ سینٹر بالائی منزل لیاقت آباد نمبر ۲ کراچی

الاستفتاء: # 10

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک والد دو بیٹے (ایک شادی شدہ دوسرا غیر شادی شدہ) چھ بیٹیوں (چار شادی شدہ اور دو غیر شادی شدہ ہیں) ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ کو ان میں کس طرح تقسیم کیا جائے؟ تفصیل اور دلائل سے واضح کیجئے جبکہ اس رقم کا مالک اپنی زندگی میں ہی اس کو تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ سائل: ولی محمد

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين

رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

(۱) پوچھے گئے سوال میں افضل ترین مذہب یہی ہے کہ بیٹوں اور بیٹیوں سب کو برابر برابر دیا جائے، امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے اور للذکر مثل حظ الانثیین دینا بھی ممنوع وناجائز نہیں جیسا کہ امام محمد کا مذہب ہے اگرچہ ترک اولیٰ ہے۔

ردالمحتار میں علامہ خیرالدین رملی سے ہے: الفتوى على قول ابي يوسف من ان التنصيف بين الذكر والانثى افضل من التثليث الذي هو قول محمد (ردالمحتار کتاب الھبۃ ج4ص513)۔ فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کہ مرد اور عورت کو آدھا آدھا یعنی نصف نصف دینا، مرد کو دو اور عورت کو ایک، تین حصے بنانے سے بہتر ہے اور یہ تین حصے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ حاشیہ طحطاوی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے: امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نصف نصف دینا افضل ہے اور یہی مختار ہے یعنی اسی پر عمل کیا جائے۔ بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہب مختار پر اولیٰ برابری ہے یعنی ہر ایک کو برابر برابر دیا جائے، ہاں اگر بعض اولاد دین کی وجہ سے افضل ہو تو اس کو ترجیح دی جائے گی۔ علامہ طحطاوی نے فرمایا: كما اذا كان احدهم مشتغلا بالعلم لابالكسب لاباس ان يفضله على غيره وفي المنح روى عن الامام انه لاباس به اذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين ...... الخ مثلاً ایک علم دین میں مشغول ہے اور کسب نہیں کرتا تو اس کو دوسروں پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور منح میں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جب دین میں فضیلت رکھتا ہو تو اس کو فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے الخ۔ (حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت 399/3)

افضلیت کے اعتبار سے تقسیم اس طرح ہوگی: کل حصے نو بنتے ہیں لہٰذا ہر ایک کے حصے میں 1444444.44 روپے آئیں گے۔

نوٹ: آپ ہر کسی چیز کو چھوڑ کر یہ کلیہ یاد رکھیئے کہ جائیداد کا مالک جس طرح چاہے جس کو چاہے جتنا چاہے اپنی زندگی میں دے سکتا ہے اور یہ ہبہ کہلاتا ہے کیونکہ ابھی وہ خود مالک ہے۔ مرنے کے بعد مال اس کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملک میں چلا جاتا ہے اس لئے مرنے کے بعد اُسی طرح تقسیم ہوگا جس طرح شریعت حکم دے گی۔ لہٰذا آپ جس کو جتنا چاہیں دے دیں چاہے پوتا پوتی اور نواسہ نواسی ہی کیوں نہ ہوں آپ پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

متخصص فی الفقہ

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالیٰ

۱۲ جمادی الثانی 1433ھ بمطابق 3 جون 2012ء

دارالافتاء انواریہ نزد غوثیہ مسجد لیاقت آباد نمبر 8 کراچی

انواریہ دار الافتاء

الاستفتاء: # 1 1

کیا فرماتے ہیں علاماء کرام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارےمیں کہ ہمارے والد کا ایک مکان تھا جو والد صاحب نے تیرا لاکھ نوئے ہزار روپے (۳۱لاکھ ۹۰ہزار روپے) کا فروخت کیا تھا تین لاکھ نوئے ہزار روپے وصول کر لے باقی دس لاکھ روپے وصول کرنے باقی تھے مگر قضائے الٰہی سے ہمارے والد صاحب انتقال کر گئے اب پوچھنا یہ ہے کہ ان دس لاکھ روپے کو شرعی اعتبار سے کس طرح تقسیم کیا جائے؟ کیا میرے چچا اور پھوپھی کو بھی حصہ ملے گا؟ کیونکہ وہ بضد ہیں کہ ہمارے بھائی کی میراث میں ہمارا بھی حق ہے۔نوٹ میرے والد مرحوم کے دو بھائی اور ایک بہن ہے جبکہ ہم دو بہنیں ہیں ہمارا بھائی کوئی نہیں ہے اور میرے والد مرحوم کے نہ والدین ہے نہ دادا، دادی اور نہ ہی نانا نانی ہیں۔ برئے کرم میرے اس مسئلہ کو جلد حل فرما دیں۔ سائلہ: روبینہ بی بی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علی سيد المرسلين

رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

آپ کے پوچھے گئے مسئلہ میں دس لاکھ روپے میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے میت کی بیوی کو ملیں گے، اور تین لاکھ تینتیس ہزار تین سو تینتیس روپے پینتیس پیسے میت کی ہر ایک بیٹی کو ملیں گے، اور تراسی ہزار تین سو تینتیس روپے پینتیس پیسے میت کے ہر ایک سگے بھائی کو ملیں گے، اور اکتالیس ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے پینسٹھ پیسے میت کی ایک بہن کو ملیں گے۔ سائلہ کے پوچھے گئے سوال کے مطابق اس کے چچا اور پھوپی کو بھی حصہ ملے گا جو ہم نے میت کے بھائی اور بہن کا ذکر کر کے بیان کر دیا ہے۔

آپ کے پوچھے گئے مسئلہ میں دس لاکھ روپے کی تقسیم فیصد کے اعتبار سے اس طرح سے ہوگی:

يتم تقسيم ميراث المتوفي على ورثته كما يلي :

	النسبة المئوية	عدد الأسهم
الزوجة لها :	12.50 %	300
البنات لهن :	66.67 %	1600
الأخوة الأشقاء لهم :	16.67 %	400
الأخت الشقيقة لها :	4.17 %	100

المجموع : 100% عدد الأسهم : 2400 سهم

آپ کے پوچھے گئے مسئلہ میں دس لاکھ روپے کی تقسیم رقم ملنے کے اعتبار سے اس طرح سے ہوگی:

أصل المسألة هو: 24 وبعد التصحيح هو: 24

الزوجة	3/24	1	125000.0
البنت	8/24	2	333333.343
الأخ الشقيق	2/24	2	83333.335
الأخت الشقيقة	1/24	1	41666.667
			1000000.0

کتبہ

متخصص في الفقه

ابو الانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَهُ اللّٰهُ تعالی

22 رجب المرجب 1433ھ بمطابق 14 جون 2012ء

انواریہ دار الافتاء لیاقت آباد نمبر ۸ کراچی

انواریہ دار الافتاء

الاستفتاء:#12

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ April fool بطور فیشن منانا کیسا؟ اس کی حقیقت کیا؟ اور اس میں مذاق کرتے ہوئے جھوٹ بولنا کیسا؟

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

الجواب:

(April fool as a fashion)

''Fashion'' کا لفظ سنتے ہی اذہان میں ''کچھ نیا کرنے یا ہونے'' کا تصور ابھرتا ہے۔ آج کے اس آزاد معاشرے میں ''Same thing'' کے بجائے ''Most different'' اور ''Most unique'' کا رجحان دن بدن ترقی پر ہے۔ جسے دیکھو نئے جہانوں کا متلاشی ہے۔ بقول شاعر ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں''......فیشن میں چاہے کپڑے اتارنے پڑیں یا جان جوکھوں میں ڈالنا پڑے آج کا یہ ''پڑھا لکھا'' انسان اس کے حصول کی تگ ودو میں دوسروں پر بازی لے جانے کا متمنی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ بالوں میں ''فوجی کٹ'' کا فیشن عروج پر تھا پھر ''برگر کٹ'' آیا اور آج ''Spikes'' بنائے جاتے ہیں اور معاملہ یہ ہوگیا ہے کہ ''بال اوپر جارہے ہیں اور پینٹ نیچے آرہی ہے۔'' اگر یہ فیشن صرف بال اور لباس کی تراش خراش تک محدود رہتا تو کسی حد تک قابل برداشت تھا مگر اب ترقی کرتے کرتے فیشن نے ہماری اخلاقی اقدار کو بھی پراگندہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ جھوٹ جو کہ ایسی اخلاقی برائی ہے جو دنیا کے ہر مذہب میں قابل مذمت وقابل گرفت ہے، ہماری قوم نے اسے بھی فیشن کے طور پر اختیار کرلیا ہے۔ اس کی بیسیوں مثالیں ہمیں اپنے اردگرد نظر آئیں گی، جیسے جھوٹے SMS، لطیفے، کسی سوال پر بلاوجہ غلط بیانی، خرید وفروخت کے وقت جھوٹ اور جھوٹی قسم وغیرہ ایسے بہت سارے جھوٹ ہمارے روزمرہ کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اس فیشن میں اس قدر ترقی ہوئی ہے کہ اب ''April fool'' کے نام سے ہر سال یکم اپریل کو اس کا تہوار بھی منایا جاتا ہے اگرچہ تاریخی لحاظ سے اس کی بنیاد جھوٹ کے فیشن پر نہ سہی مگر زیادہ تر یہ تہوار ''Fashionable'' طبقہ ہی مناتا ہے۔

''April fool'' کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو بھی مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ بات ہمارے لئے باعث شرم ہے کہ اس تاریخ کو تو عیسائیوں کی طرف سے ہمارے مسلمان بھائیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے تھے اور انہیں شکست وریخت سے دوچار کیا گیا تھا اور ہم ہیں کہ ان کی دیکھا دیکھی ان کے رنگ میں رنگتے چلے جارہے ہیں۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ اسپین فتح کرنے کے بعد عیسائی افواج نے وہاں کے مسلمانوں کا بے انتہا خون بہایا۔ پھر انہوں نے گرفتار مسلمان فرمانرواؤں کو ان کے خاندان سمیت واپس مراکش بھیجنے کی پیش کش کی اور غرناطہ سے کوئی بیس کلومیٹر دور ایک پہاڑی پر انہیں چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔ ان کو ملک بدر کرنے کے بعد حکومتی جاسوس گلی گلی گھومتے تھے کہ کہیں کوئی مسلمان نظر آئے تو اسے شہید کر دیا جائے۔ زندہ بچ جانے والے مسلمان اپنے علاقے چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں جابسے اور جان بچانے کی خاطر اپنے گلوں میں صلیبیں ڈال لیں اور عیسائی نام رکھ لیئے۔ اب بظاہر اسپین میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہا تھا مگر عیسائیوں کو اب بھی یقین تھا کہ سارے مسلمان قتل نہیں ہوئے، کچھ چھپ کر اور کچھ اپنی شناخت بدل کر زندہ ہیں۔ چنانچہ، مسلمانوں کو منظر عام پر لانے کے لئے ایک منصوبہ بنایا گیا۔ پورے ملک

میں اعلان ہوا کہ ''یکم اپریل'' کوتمام مسلمان غرناطہ میں اکٹھے ہو جائیں تا کہ انہیں ان ممالک میں بھیج دیا جائے جہاں وہ جانا چاہیں۔ مارچ کا پورا مہینے اعلانات ہوتے رہے۔ الحمراء کے نزدیک بڑے بڑے میدانوں میں خیمے نصب کردیئے گئے۔ جہاز آکر بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتے رہے ۔مسلمانوں کو ہر طریقے سے یقین دلایا گیا کہ انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا اور اب چونکہ ملک میں امن قائم ہو چکا تھا اور مسلمانوں کو ظاہر ہونے میں کوئی خوف محسوس نہ ہوا تو وہ سب غرناطہ میں اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔اس طرح حکومت نے تمام مسلمانوں کو ایک جگہ اکٹھا کرلیا اور ان کی بڑی خاطر مدارات کی۔ یہ کوئی 500 برس پہلے کا ''یکم اپریل'' تھا جس دن تمام مسلمانوں کو بحری جہازوں میں سوار کرایا گیا اور دوسری طرف عیسائی حکمران اپنے محلوں میں جشن منا رہے تھے کیونکہ وہ اس منصوبے کے انجام سے باخبر تھے۔ جرنیلوں نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور جہاز وہاں سے چل دیئے۔ جب جہاز گہرے سمندر میں پہنچے تو حکومتی اہل کاروں نے بارود سے جہازوں میں سوراخ کردیئے اور خود حفاظتی کشتیوں کے ذریعے بچ نکلے اور یوں تمام مسلمان سمندر میں ابدی نیند سو گئے۔اس کے بعد اسپین میں جشن منایا گیا کہ ہم نے کس طرح جھوٹ بول کر اپنے دشمنوں کو ''بے وقوف بنایا'' پھر یہ دن اسپین کی سرحدوں سے نکل کر پورے یورپ میں فتح کا عظیم دن قرار پایا اور اسے ''First april fool'' (یعنی یکم اپریل کے پہلے بیوقوف) کا نام دیا گیا۔(تاریخ اندلس، جلد۲، صفحہ۳۱۲)

یہ ہے اس اپریل فول کی حقیقت اور بے خبر مسلمان اس شرمناک رسم کو اپنا کر گویا کہ اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی بربادی پر خوشی مناتے ہیں۔ پہلے پہل یہ فتح کا عظیم دن تھا اور آگے چل کر عملی مذاق کی صورت اختیار کر گیا...... ''انسائیکلوپیڈیا انٹرنیشنل'' کے مطابق مغربی ممالک میں یکم اپریل کو عملی مذاق کا دن قرار دیا جاتا ہے۔اس دن ہر طرح کی نازیبا حرکات کی چھوٹ ہوتی ہے اور جھوٹے مذاق کا سہارا لے کر لوگوں کو بیوقوف بنایا جاتا ہے۔(انسائیکلوپیڈیا انٹرنیشنل، صفحہ۵۵۷)...... اگر اس تناظر (View) میں دیکھا جائے تب بھی فرنگیوں نے تو باہم ایک دوسرے کو بیوقوف بنانے نیز دوسروں کو پریشانی میں مبتلا کر کے خود خوش ہونے کے لئے ''April fool'' نامی رسم کو رواج دیا تھا...... کیا ایسی لچر و بیہودہ رسم جو اپنے اندر جھوٹ، دھوکہ اور ایذا رسانی جیسے قبیح افعال کو سموئے ہوئے ہو، ایک مسلمان کو زیب دیتی ہے؟ مگر کیا کریں! عقل آزاد ہے اور آزاد عقل کا کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب گھاس چرنے نکل پڑے......غور فرمایئے کہ مغرب کی تقلید کی رو میں بے سوچے سمجھے بہہ جانے کا شوق رکھنے والے ''Fashionable'' طبقے نے اس مذموم رسم کو بڑے چاہ سے قبول کیا اور نوبت ایں جا رسید کہ اس رسم کے پیش نظر ''First april'' کو جھوٹ بول کر لوگوں کو دھوکہ دینا اور بے وقوف بنانا خوبی و کمال تصور کیا جانے لگا ہے۔ جو جتنی چالاکی، مہارت اور صفائی کے ساتھ جھوٹ بول کر دوسرے کو جتنا بڑا دھوکہ اور فریب دے وہ اتنا ہی ''باکمال'' اور ''April fool'' سے لطف اندوز ہونے والا شمار کیا جاتا ہے...... بدتہذیبی اور بدمزاجی کی حد یہ ہے کہ اس غیر اخلاقی حرکت بلکہ ''مجموعہ گناہ'' کو مذاق اور ''Fashion'' سے تعبیر کیا جاتا ہے جو بجائے خود ایک گناہ ہے اور اس سب پر طرہ یہ کہ ''یہ مہلک رسم نہ جانے کتنے انسانوں کے لئے جانی اور مالی نقصان کا باعث بنتی ہے۔''...... یاد رہے کہ اس رسم کی ادائیگی تب تک ممکن ہی نہیں جب تک جی بھر کر جھوٹ نہ بولا جائے اور ہمارا دین فطرت اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا بلکہ اس کا درس تو یہ ہے کہ جھوٹ دنیا و آخرت میں ہلاکت و رسوائی کا سبب ہے۔قرآن مجید صاف صاف ارشاد فرما رہا ہے:

لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ: جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے

کوشش کیجئے کہ زندگی میں بالعموم اور یکم اپریل کو بالخصوص جھوٹ سے دور رہیے......اور ہرگز کسی کو اس طرح کی جھوٹی خبر نہ دیجئے کہ ''تمہارا فلاں رشتہ دار فوت ہو گیا ہے۔'' یا ''فلاں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' وغیرہ۔ ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ،

كتبه

متخصص في الفقه

ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالیٰ

جمادالثانی 1433ھ بمطابق 2 اپریل 2012ء

انواریہ دارالافتاء لیاقت آباد نمبر ۸ کراچی

انواریہ دار الافتاء

الاستفتاء: 13#

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کونڈے کیا ہیں ان کو کرنا کیسا اور اس کے کیا فائدے ہیں؟ بینواوتوجروا

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين
رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

﴿......کیا رجب میں ایصالِ ثواب کرنا جائز نہیں؟......﴾

مسلمانوں کی اکثریت رجب المرجب کے مہینے میں حضرت امام جعفر صادق رَحمَۃُ اللّٰہ عَلَیہ کے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتی ہے۔ جسے عام لوگ **''کونڈوں کی نیاز''** کہتے ہیں......قرآن پاک، احادیث مبارکہ، اجماع امت اور شریعت کے چاروں امام سب اس بات پر متفق ہیں کہ **ایصال ثواب بالکل جائز اور مستحب و مستحسن کام ہے**......بسا اوقات لوگ اپنی سہولت کی خاطر ایصالِ ثواب کے لئے دن وغیرہ مقرر کر لیتے ہیں مگر اسے شریعت کا مقرر کردہ دن نہیں سمجھتے، اسی لئے سوئم اور چالیسویں وغیرہ میں کچھ دن آگے پیچھے کر لیتے ہیں......یہی معاملہ ''کونڈوں کی نیاز'' کا ہے کہ عموماً مسلمان رجب المرجب کی 22 تاریخ سے مہینے کے آخر بلکہ بعد تک اس کا اہتمام کرتے رہتے ہیں اور بعض 22 رجب سے پہلے بھی کر لیتے ہیں اور اس کے جائز ہونے پر اہلسنّت وجماعت کے تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے......بعض دوستوں کے ذریعے **''کونڈوں کی حقیقت''** نامی ایک **''فتویٰ''** نظر سے گزرا......پڑھ کر انتہائی افسوس اور دکھ ہوا اور بڑی حیرت ہوئی کہ **خود کو مفتی کہلانے والوں نے کس قدر جھوٹ اور دھوکہ دہی سے کام لیا اور ایک جائز کام کو ناجائز قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے**......سب سے پہلے تو وہی **بدعت** کا پرانا رونا رویا گیا ہے اور ایصالِ ثواب کو بدعت کہنا بجائے خود ایک گمراہی ہے......اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت کے فہم سے قاصر یہ لوگ بذاتِ خود سینکڑوں بدعتوں کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ دل وجان سے ان کو اپنائے ہوئے ہیں......دوسرے نمبر پر خاص **''کونڈوں کی نیاز''** کا حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم، حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضِیَ اللّٰہُ عَنہُم سے ثبوت مانگنا سراسر جہالت کی دلیل ہے......اگر یہ لوگ بضد ہیں تو پھر بتائیں: کس صحابی نے **''نوٹوں''** سے زکوۃ دی؟؟؟ اور کس صحابی نے **''ہوائی جہاز''** پر سفر حج کیا؟؟؟ نیز یوم صدیق اکبر اور یوم فاروق اعظم (رضِیَ اللّٰہُ عَنہُمَا) پر ریلیاں نکالنے اور سرکاری سطح پر چھٹی کا مطالبہ کرنے اور ان ایام کو منانے کا قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضِیَ اللّٰہُ عَنہُم سے ثبوت پیش کریں جو کہ قیامت تک نہ ہو سکے گا......رہا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ''22 رجب حضرت امیر معاویہ رضِیَ اللّٰہُ عَنہ کا وصال مبارک ہے اور اہلسنّت ان کے وصال کی خوشی میں نیاز کرتے ہیں۔''......اس کے جواب میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ **''جھوٹوں پر اللّٰہ کی لعنت''**......اور یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے

کہ انبیاء واولیاء سے غیب کی نفی کرنے والوں کو ہماری پوشیدہ نیت کا پتا چل جاتا ہے......بہر حال کسی بھی مسلمان کی یہ نیت نہیں ہوتی بلکہ صرف اور صرف ایصالِ ثواب کی نیت ہوتی ہے اور ہم اہلسنّت اپنی اس نیت کا بابانگ دہل اعلان بھی کرتے رہتے ہیں......اس وضاحت وصراحت کے بعد بھی یہ کذب بیانی کرنا شیطانی کام نہیں تو اور کیا ہے......مناسب ہے کہ اب اس بات کی قلعی بھی کھول دی جائے کہ ''22 رجب حضرت امیر معاویہ رضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کا یومِ وصال ہے۔'' جیسا کہ نام نہاد مفتیوں نے **''تاریخ طبری''** کے حوالے سے لکھا ہے، حالانکہ **تاریخ طبری** میں یہ لکھا ہے کہ ''بعض کے نزدیک یکم رجب اور بعض کے نزدیک 15 رجب اور بعض کے نزدیک رجب ختم ہونے میں آٹھ دن باقی تھے (یہ 21 رجب بھی ہوسکتی ہے) کہ حضرت امیر معاویہ رضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کا وصال ہوا۔ (تاریخ طبری، ج 3، ص 261) **تاریخ طبری کے علاوہ دیگر کتب میں درج ذیل اقوال لکھے ہیں:** ﴿۱﴾ **تاریخ ابن خلدوں**، ج 2، ص 502 (مطبوعہ: نفیس اکیڈمی کراچی): ''آپ کا وصال 15 رجب کو ہوا اور بعض کے نزدیک **جمادی الثانی** میں ہوا۔'' ﴿۲﴾ **طبقات ابن سعد**، ج 7، ص 406 (مطبوعہ: بیروت، لبنان) میں لکھا ہے: ''وصال مبارک 15 رجب کو ہوا۔'' ﴿۳﴾ **البدایۃ والنہایۃ**، ج 8، ص 152 (مطبوعہ: بیروت) میں ہے: ''ایک گروہِ علماء کے نزدیک آپ کا وصال 15 رجب کو ہوا، بعض کے نزدیک 4 رجب، بعض کے نزدیک یکم رجب اور بعض کے نزدیک رجب ختم ہونے میں آٹھ دن باقی تھے۔'' ﴿۴﴾ **تاریخ ابن عساکر**، ج 59، ص 60 پر بھی 15 رجب اور 22 رجب کے اقوال ہیں۔ نیز ﴿۵﴾ **اسد الغابہ** میں بھی 15 رجب لکھا ہے اور کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا وصال 22 رجب کو ہوا۔''......**قارئین کرام!** آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کی تاریخِ وصال میں اس قدر اختلاف اور کئی اقوال ہونے کے باوجود صرف 22 تاریخ کو خاص کر کے مسلمانانِ اہلسنّت کو دشنام دینا اور انہیں ایصالِ ثواب سے روکنا امت میں فتنہ انگیزی کے سوا کچھ بھی نہیں......اور یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ یہ لوگ صرف ایصالِ ثواب سے روکنا چاہتے ہیں ورنہ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کس کا وصال کب ہوا؟......اگر یہ واقعی ایصال ثواب سے روکنا نہیں چاہتے بلکہ تاریخ وصال کی غلطی درست کروانا چاہتے ہیں تو پھر امیر معاویہ رضِیَ اللّٰہُ عَنہُ اور حضرت امام جعفر صادق رَحمَۃُ اللّٰہ عَلَیہ کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟؟؟......ہاں! ہاں! اگر سچے ہیں تو حضرت امام جعفر صادق رَحمَۃُ اللّٰہ عَلَیہ کے وصال کی جو تاریخ ان کے نزدیک درست ہے اسی کو نیاز وفاتحہ کا اہتمام کرلیا کریں۔ **سنیوں سے گزارش!** ایصال ثواب کے دشمنوں کی باتوں پر کان مت دھریئے بلکہ اپنے بزرگوں اور مرحومین کو خوب خوب ایصالِ ثواب کیجئے۔

کتبہ

متخصص فی الفقہ

ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالیٰ

28 رجب المرجب 1433ھ بمطابق 20 جون 2012ء

انواریہ دارالافتاء لیاقت آباد نمبر ۸ کراچی

دار الافتاء انواریہ

الاستفتاء:14#

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ایک مکان جس کی مالیت پچاس لاکھ روپے ہے چھوڑ کر فوت ہوگیا اور اس نے ایک بیوی، دو لڑکے جن میں ایک شادی شدہ اور ایک غیر شادی شدہ ہے اور پانچ لڑکیاں جن میں سے چار شادی شدہ اور ایک غیر شادی شدہ ہے تو ہر کسی کے حصے میں کتنی کتنی رقم آئے گی؟ بینوا و توجروا　　　　سائل: غضنفر

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين
رب اغفر وارحم وانت خير الراحمين

الجواب:

مذکورہ مسئلہ میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: "للذكر مثل حظ الانثيين" (النساء: ۱۱) بغیر کسی قید کے وارد ہے۔ قرآن کریم کے حکم کے مطابق اگر میت پر قرض ہو تو اُس کی ادائیگی اور میت نے اگر وصیت کی ہو تو ایک تہائی پر عمل کے بعد مکان کی مالیت کی تقسیم بیوی دو لڑکوں اور پانچ لڑکیوں میں کچھ اس طرح سے ہوگی کہ بیوی کو کل مالیت میں سے 12.50% اور دونوں لڑکوں کو 38.89% اور پانچوں لڑکیوں کو 48.61% رقم ملے گی۔ چونکہ مکان کی مالیت پچاس لاکھ (50,00,000) روپے ہے تو یہ مسئلہ تفصلا اس طرح ہے:

اصل مسئلہ: 8　　وبعد التصحیح: 72

☆......بیوی کو 9/72 یعنی (50,00,000 میں سے) چھ لاکھ پچیس ہزار روپے (6,25,000) ملیں گے۔

☆......ہر ایک لڑکے کو 14/72 یعنی (50,00,000 میں سے) نو لاکھ بہتر ہزار دو سو بائیس روپے اور پچیس پیسے (9,72,222.25) ملیں گے۔ جبکہ دونوں لڑکوں کو مجموعی طور پر کل 19,44,444.5 ملیں گے۔

☆......اور ہر ایک لڑکی کو 7/72 یعنی چار لاکھ چھیاسی ہزار ایک سو گیارہ روپے اور سوا بارہ پیسے (4,86,111.125) ملیں گے۔ جبکہ پانچوں لڑکیوں کو مجموعی طور پر کل 24,30,555.625 ملیں گے۔

کتبہ

المتخصص فی الفقہ
عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالی
24 ربیع الغوث 1434ھ بمطابق 7 مارچ 2013ء
دارالافتاء انواریہ لیاقت آباد نمبر ۸ کراچی

دار الافتاء انواریہ

الاستفتاء:#15

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی زندگی کا بیمہ کروانا چاہتے ہیں کیا اس کا اپنی زندگی کا بیمہ کروانا جائز ہے یا ناجائز؟

سائل

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام علی سید المرسلین
رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

الجواب:

جان یا دوسری اشیاء کا بیمہ کروانا چند وجوہات کی بنا پر ناجائز ہے جن میں سے ایک تو بیمہ پالیسی میں شرائط فاسدہ پائی جاتی ہیں دوسرے اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس میں زیادہ امکان مسلمان کے مال کے نقصان کا ہے تیسرے یہ نرا جوا ہے کیونکہ اس میں ایک حد تک روپیہ ضائع بھی جاتا ہے اور وہ منافع موہوم جس کی امید پر دین اگر ملے بھی تو کمپنی بیوقوف نہیں کہ پلے سے ہزاروں روپیہ دے بلکہ وہ وہی روپیہ ہوگا جو اوروں کا ضائع گیا اور ظاہر ہے کہ ان میں مسلمان بھی ہوں گے تو کوئی وجہ اس کے جائز ہونے کی نہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ، اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔(پ۲، بقرہ:۱۸۸) اس آیت میں باطل طور پر کسی کا مال کھانا حرام فرمایا گیا خواہ لوٹ کر یا چھین کر یا جوئے وقمار وغیرہ سے یہ سب ممنوع وحرام ہے۔حدیث شریف میں مسلمانوں کو ضرر پہنچانے والے پر لعنت آئی ہے، اور بیمہ میں جو اضافی رقم ملتی ہے وہ ان مسلمانوں کا بھی مال ہوتا ہے جو اقساط ادا نہ کر سکے تھے۔اعلی حضرت سے زندگی کے بیمہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے کچھ اس طرح ارشاد فرمایا:

''جس کمپنی سے یہ معاملہ کیا جائے اگر اس میں کوئی مسلمان بھی شریک ہے تو مطلقاً حرام قطعی ہے کہ قمار ہے اور اس پر جو زیادت ہے ربا، اور دونوں حرام وسخت کبیرہ ہیں۔اور اگر اس میں کوئی مسلمان اصلاً نہیں تو یہاں جائز ہے جبکہ اس کے سبب حفظ صحت وغیرہ میں کسی معصیت پر مجبور نہ کیا جاتا ہو جواز اس لئے کہ اس میں نقصان کی شکل نہیں، اگر بیس برس تک زندہ رہا پورا روپیہ بلکہ مع زیادت ملے گا، اور پہلے مرگیا تو ورثہ کو اور زیادہ ملے گا مثلاً سال بھر بعد ہی مرگیا تو دیئے ۲۴۶ روپے چار آنے اور ملے ۵۰۰۰ روپے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جو زائد ملے ربا سمجھ کر نہ لے بلکہ یہ سمجھے کہ غیر مسلم کا مال اس کی خوشی سے بلا عذر ملا، یہ حلال ہے۔امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ہجرت سے پہلے جبکہ اللہ تعالی نے ''الم غلبت الروم'' کے کلمات نازل فرمائے تو قریش نے اُن سے کہا: کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ رومی غالب آئیں گے؟ فرمایا: ہاں۔پھر کہا: کیا آپ ہم سے شرط لگاتے ہیں؟ تو حضرت ابوبکر نے اُن سے شرط لگادی۔پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی تو حضور اقدس نے ارشاد فرمایا: تم اُن کے پاس جاؤ اور شرط میں اضافہ کردو۔تو ابوبکر صدیق نے ایسا ہی کیا۔تو رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے شرط وصول کرلی۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اس کی اجازت دے دی، صدیق اکبر اور مشرکین کے درمیان بعینہٖ رضامندی جُوا تھا بخلاف اُس آدمی کے جو ہمارے پاس دارالسلام میں امن کے لئے سکونت اختیار کرے، لہٰذا اس کا مال امن کی وجہ سے دوسروں کے لئے ممنوع ہے۔اگر شرعی طریقے کے بغیر لیا تو فریب کاری ہوگی، مگر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ کام مباشرتِ عقد کو حلال ہونے کو چاہتا ہے جبکہ اضافہ کسی مسلمان کو حاصل ہو، چنانچہ اصحاب نے درس میں یہ انتظام کیا ہے کہ ان کی مراد سود اور فتوے کے جواز سے یہ ہے کہ جب زیادت مسلمان کو حاصل ہو جائے علّت پر نظر کرتے ہوئے اگرچہ مطلق جواب اس کے خلاف ہے، واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔(فتاوی رضویہ ج۲۳ص۵۹۵)

یاد رہے کہ کافر حربی کا مال قمار یا دوسرے عقود فاسدہ کے ذریعے حاصل کرنا جائز ہے۔شامی ج۱۶صفحہ۶۴ میں اس کی صراحت یوں بیان کی گئی

ہے:وَإِنْ بَـايَـعَهُمُ الدِّرْهَمَ بِدِرْهَمَيْنِ نَقْدًا أَوْ نَسِيئَةً أَوْ بَايَعَهُمْ بِالْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْمَيْتَةِ فَلا بَأْسَ بِذَلِكَ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ أَمْوَالَهُمْ بِرِضَاهُمْ فِي قَـوْلِهِـمَـا وَلَا يَجُوزُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ ۔ **اور ہدایہ شرح بدایہ ج۳ص۶۶ میں اس طرح ہے**:لأن مـالهـم مباح فى دارهم فبأى طـريـق أخـذه الـمسـلم أخذ مالا مباحا إذا لم يكن فيه غدر ، بخلاف المستأمن منهم لأن ماله صار محظورا بعقد الأمان **اسی طرح بدائع صنائع ج۱۱ص۳۰۷ میں ہے**:(ولهما)أن مال الحربى ليس بمعصوم بل هو مباح فى نفسه۔

مذکورہ بالاعبارات کا حاصل یہ ہے کہ حربی کافر کا مال مباح اور غیر معصوم ہے اس لئے وہ غدر وفریب اور عہد شکنی کے علاوہ خواہ سود وقمار کے طریقے پر حاصل ہو یا دوسرے عقود فاسدہ کے ذریعے،مسلمان کے لئے حلال وجائز ہے اسی طرح شامی ج۲۰ص۱۵۶ پر بھی یہ عبارت موجود ہے:''وَإِذَا دَخَـــلَ الْـمُسْـلِـمُ دَارَ الْـحَـرْبِ بِأَمَانٍ ، فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْخُذَ مِنْهُمْ أَمْوَالَهُمْ بِطِيبِ أَنْفُسِهِمْ بِأَيِّ وَجْهٍ كَانَ لِأَنَّهُ إنَّمَا أَخَذَ الْمُبَاحَ عَلَى وَجْهٍ عَرَى عَنْ الْـغَـدْرِ فَيَـكُـونُ ذَلِكَ طَيِّبًا لَهُ وَالْأَسِيرُ وَالْمُسْتَأْمَنُ سَوَاءٌ حَتَّى لَوْ بَاعَهُمْ دِرْهَمًا بِدِرْهَمَيْنِ أَوْ بَاعَهُمْ مَيْتَةً بِدَرَاهِمَ أَوْ أَخَذَ مَالًا مِنْهُمْ بِطَرِيقِ الْقِمَارِ فَذَلِكَ كُلُّهُ طَيِّبٌ لَهُ أ هـ مُلَخَّصً'' **یہاں مال حربی کے غیر معصوم ہونے کے لئے دار کی تخصیص نہیں کہ دارالحرب میں بذریعہ عقد فاسد حصول مال جائز اور دارالاسلام میں ناجائز۔کافر حربی کا مال مال مباح ہے خواہ دارالاسلام میں ہو یا داالحرب میں اگر چہ عقود دفاسدہ،سود،قمار کے ذریعے حاصل کیا جائے جائز حال اور طیب ہے۔**

حاصل کلام یہ کہ اگر آپ بیمۂ زندگی کسی ایسے ادارے سے کروارہے ہیں جس میں مسلمانوں کا مال اور مسلمانوں کا نقصان ہو جیسا کہ ہمارے ملک میں،تو یہ ناجائز اور اگر کسی کافر ادارے جس میں تمام کافر حربی اور انہیں کا مال ہو تو جائز۔میں کہتا ہوں کہ بیمہ کی اسکیم انسانی معاشرہ کے لئے مفید اور لائق عمل نظر آتی ہے جبکہ بیمہ کے نظام کو شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق نافذ کیا جائے تو اس کی افادیت اور استحسان میں کوئی شبہ نہیں بلکہ یہ عمل اسلامی اخوت اور مواسات کے قریب تر نظر آتا ہے لیکن بیمہ کا موجودہ نظام اور طریقہ کار اوپر ذکر کردہ متعدد وجوہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے اس لئے ناجائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

المتخصص فی الفقه

عاجز ابوالانوار ڈاکٹر ذوالفقار علی قریشی غَفَرَہُ اللّٰہُ تعالی

17 ربیع الغوث 1434ھ بمطابق 30 مارچ 2013ء

دارالافتاء انواریہ لیاقت آباد نمبر ۸ کراچی